مجلّہ طلوع اسلام کا اجراء 1938ء میں علامہ اقبال کے ایما اور قائداعظم کی خواہش پر عمل میں آیا۔

قرآنی ربوبیت کا پیامبر

طلوع اسلام

ماہنامہ ---------- لاہور

خط و کتابت : ناظم ادارہ طلوع اسلام (رجسٹرڈ) 25۔ بی گلبرگ۔ 2 لاہور 54660 ٹیلی فون :876219 فیکس :92-42-5764484

فہرست مشمولات

لمعات	ادارہ	2
پیمان وفا	ظفر احسن محمود (راولپنڈی)	6
ہلال عید ہماری ہنسی اڑاتا ہے	علامہ غلام احمد پرویزؒ	9
مزرائیت اور طلوع اسلام	ادارہ	16
گاہے گاہے باز خواں	ڈاکٹر محمد اسلم نوید (بوریوالہ)	37
محبت	آنسہ عظمت ناز	45
حقائق و عبر	ادارہ	50
اسلامی جمہوریہ پاکستان کے 50 سال	ملک حنیف وجدانی	52
Introduction Shahkar-e-Risalat	M. Omar Draz	62
His Last Wish	Shamim Anwar	64

قارئین کو یہ دیکھ کر خوشی ہوگی کہ پاکستان اور مجلّہ طلوع اسلام اپنے دور ثانی میں قدم بقدم چل رہے ہیں

انتظامیہ :۔ چیئرمین : ایاز حسین انصاری۔ ناظم : محمد لطیف چوہدری
مدیر مسئول : محمد لطیف چوہدری۔ مجلس ادارت : میجر محمد یوسف ڈار۔ محمد عمر دراز۔ ڈاکٹر صلاح الدین اکبر۔
ناشر: عطاالرحمن ارائیں 62
طابع : خالد منصور نسیم۔ مطبع :النور پرنٹرز و پبلشرز 3/2 فیصل نگر ملتان روڈ لاہور۔
مقام اشاعت :25-B گلبرگ 2 لاہور۔ 54660

جلد 50 شمارہ 02 ۔ فروری 1997ء
بدل اشتراک
ایشیاء' افریقہ' یورپ 600 روپے
آسٹریلیا' امریکہ' کینیڈا 800 روپے
اندرون ملک فی پرچہ =/15 روپے سالانہ 170 روپے

بسم اللہ الرحمن الرحیم ○

لمعات

1- سیاسی دنگل-

طلوع اسلام کی دشواری یہ ہے کہ یہ ایک ماہوار مجلّہ ہے جو شائع تو ہر ماہ کی 25 تاریخ کو ہوتا ہے لیکن اسکی کاپیاں پریس میں بہت پہلے بھجوانی پڑتی ہیں۔ اس لئے جب ہم کسی حالات حاضرہ پر تبصرہ کرتے ہیں اور جس وقت وہ تبصرہ قارئین کے سامنے آتا ہے' اس میں خاصا وقفہ حائل ہو جاتا ہے اور اس وقفہ کے دوران بات کہیں سے کہیں جا پہنچتی ہے لہٰذا ہم نہیں کہہ سکتے کہ آنے والے حالات کیا کروٹ بدلیں۔ اس وقت تک جو بات سامنے آئی ہے وہ یہ ہے کہ قومی سطح پر احتساب کا عمل جاری تو شد و مد سے ہوا تھا لیکن پردہ اٹھا تو عوام نے دیکھا کہ اس حمام میں سبھی ننگے ہیں لہٰذا کس کا حساب اور کون محتسب؟ سین بدلنے کے لئے سرکس کے جوکروں کا دکھاوا تھا سو ہو لیا۔ رہے 3 فروری 97ء کو ہونے والے انتخابات تو اس وقت تک سامنے آنے والی اکثر و بیشتر سیاسی پارٹیوں کے پاس نہ تو کوئی مثبت پروگرام ہے اور نہ ہی کوئی ایسی بلند قامت شخصیت کہ جس کا ملک میں عالمگیر احترام ہو' اس لئے الیکشن اگر ہو بھی جاتے ہیں تو اس سے پیشہ ور سیاستدانوں پر روزگار کے دروازے تو کھل جائیں گے لیکن تغیر احوال کا کوئی امکان بظاہر نظر نہیں آتا۔

ملک کے معاشی حالات اس قدر ابتر ہوتے چلے جا رہے ہیں کہ غریب آدمی تو ایک طرف متوسط طبقہ کے لئے بھی زندگی کے دن گزارنے مشکل ہو چکے ہیں۔ آبادی میں روز افزوں اضافہ' مشینوں کے استعمال سے افرادی قوت (MAN - POWER) کا عضو معطل بن کر رہ جانا اور اس طرح بیکاروں کی تعداد کا کثرت سے بڑھتے جانا' دوسری طرف شخصی منفعت سازی (ENTERPRISE PRIVATE) سے اشیائے صرف کی قیمتوں میں ہوش ربا اضافہ اور ایک مخصوص و محدود طبقہ میں دولت کے بے پناہ اکتناز کی وجہ سے قیمتوں کا چڑھتے چلے جانا ایسے عوامل ہیں جن کی وجہ سے کم' یا متعین آمدنی والے افراد اور خاندانوں کے لئے زندگی وبال جان بن رہی ہے۔

ہماری دوسری مشکل ہمارا نظام تعلیم ہے' جسے اگر صحیح قرآنی نظام تعلیم سے نہ بدلا گیا تو ہماری نئی نسل برباد ہو جائیگی۔ ہمارے غلط معاشرہ میں' والدین اولاد اور استاد شاگرد کے رشتوں کے پرانے بندھن پہلے ہی ٹوٹتے جا رہے ہیں اگر ہم نے اپنے نوجوانوں کو' زندگی کی مستقل اقدار سے روشناس نہ کرایا اور ان کے دل و دماغ میں ان کے لئے جذبہ احترام و خود سپردگی پیدا نہ کیا' تو سرکش ان کا

شعار اور حدود شکنی ان کی روش زندگی بن جائے گی۔

علاوہ ازیں ہمارے ہاں دفتری عملے کے تحکمانہ رویے سے خلق خدا تنگ آ چکی ہے۔ انہیں اس کا احساس ہی نہیں کہ انگریز کا زمانہ لد چکا ہے اور اب اہل پاکستان کی اپنی حکومت ہے۔ اب کوئی شخص اسے برداشت نہیں کر سکتا کہ زبان سے اپنے آپ کو "عوام کے خادم" (پبلک سرونٹس) کہنے والے، عوام کے سر پر فرعون بنکر مسلط رہیں۔ حکام کا یہ رویہ ہی عوام کے لئے کچھ کم نفرت انگیز نہ تھا کہ اس پر رشوت کی ہمہ گیر وبا نے قاعدہ قانون، ضابطہ اور نظام کا رہا سہا وقار بھی خاک میں ملا دیا اور ملک میں قانون کی حکمرانی کے ادعا کے باوجود، لاقانونیت جنگل کی آگ کی طرح پھیل رہی ہے۔ اس فضا میں جہاں ایک طرف بد دیانت طبقہ کے وارے نیارے ہو گئے، دوسری طرف، دیانتدار، فرائض شناس قانون پسند طبقہ پر زیست حرام ہو چکی ہے۔ شرافت، نجابت، حسن سیرت و کردار، جنس کاسد بن کر رہ گئے ہیں، جن کا اس بازار میں کوئی خریدار اور پرسانِ حال نہیں۔ معاشی ناہمواریوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک طرف افراط زر سے پیدا ہونے والے جرائم و عیوب عام ہو گئے اور دوسری طرف غربت اور افلاس کی کوئی حد نہ رہی۔ نتیجہ یہ کہ ہر شریف انسان ڈرے ڈرے اور سہمے سہمے زندگی کے دن پورے کرنے پر مجبور ہو گیا۔

ہمارے نزدیک اس مملکت کی سالمیت، اس میں رہنے والوں کی فلاح و بہبود اور پاکستان کی آئیدیالوجی کے استحکام کے لئے اس کے سوا کوئی صورت نہیں کہ :-

(1) یہاں قلب و نگاہ کی تبدیلی سے، قرآن کا وہ معاشی نظام نافذ کیا جائے جس میں تمام افراد معاشرہ کی بنیادی ضروریات زندگی اور ان کی مضمر صلاحیتوں کی نشوونما کا سامان بہم پہنچانے کی ذمہ داری مملکت پر ہو

(2) نظام تعلیم میں ایسی تبدیلی کی جائے جس سے قرآن میں بیان کردہ مستقل اقدار، تعلیم یافتہ نوجوانوں کی سیرت و کردار کی بنیاد قرار پائیں۔

(3) قرآن کریم کی غیر متبدل حدود کے اندر رہتے ہوئے ملت کے لئے ایسا ضابطہ قوانین مرتب کیا جائے جو ہمارے موجودہ تقاضوں کو پورا کر سکے۔ اور

(4) جب تک طبقاتی تفریق ختم نہ ہو، ملک کی پارلیمان میں نیابت، مختلف طبقوں کی آمدنی کی نسبت سے ہو۔

ہمارے نزدیک جو بھی سیاسی پارٹی ہمارے اس پروگرام کو بروئے کار لانے کے لئے میدان میں آئے گی وہی پاکستان کی سچی بہی خواہ ہو گی اور اسی کی تحریک کو "اسلامی" کہلانے کا حق پہنچے گا۔

... میں آتی ہے۔

... رونا یہ رویا جاتا ہے کہ ملک میں پریس کو آزادی نہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ اس سے ... اور ایسا ہو سکتی ہے کہ اخبارات میں رطب و یابس ہر قسم کی خبریں چھپتی ہیں۔ ان میں ... ہوتی ہیں لیکن نہ ایسی خبروں پر ان اخبارات سے باز پرس ہوتی ہے اور نہ ہی خود ان میں ان اخلاقی جرات ہوتی ہے کہ خبر کی تحقیق ہو جانے کے بعد اپنے قارئین سے معافی مانگ لیں کہ ہم نے ان تک غلط خبر پہنچا دی تھی۔ ان غلط خبروں کی بناء پر بڑے بڑے شریف لوگوں کی عزت خاک میں مل جاتی ہے۔ نہایت معزز خواتین کی آبرو جاتی رہتی ہے۔ خاندان تباہ ہو جاتے ہیں۔ نفرت و انتقام کے جذبات مشتعل ہو جاتے ہیں۔ معاشرہ میں فساد برپا ہو جاتا ہے۔ یہ سب کچھ افراد معاشرہ کو بھگتنا پڑتا ہے لیکن ان اخبارات سے کوئی باز پرس نہیں ہوتی۔ باز پرس تو ایک طرف جس قدر کوئی اخبار سنسنی خیز خبریں چھاپتا ہے' اتنی ہی اس کی اشاعت بڑھ جاتی ہے۔

ملک میں اگر قرآن کریم کے احکام پر عمل ہوتا تو ملک اس قسم کے طوفانِ کذب و افترا سے محفوظ رہتا۔ فرمان خداوندی ہے (**لَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ ۚ إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا**" (17/36) جس بات کا تمہیں علم نہ ہو' اسکے پیچھے مت لگ جایا کرو۔ یاد رکھو! تمہاری سماعت' بصارت اور قلب سے' ہر ایک بات کے متعلق باز پرس ہو گی۔

ضرورت اس ملک میں ایک ایسے اخبار کی ہے' جو قرآن کے اس حکم کو اپنا شعار بنا لے۔ کوئی ایسا کر دیکھے پھر دیکھئے کہ اس گئے گزرے زمانے میں بھی جہاں چاروں طرف جھوٹ کی بھرمار ہے' اس کا کس قدر احترام ہوتا ہے اور اس کی مانگ کس قدر بڑھتی ہے۔

○○○○○ ○○○○ ○○○○○

جو قوم تسخیرِ فطرت کے لئے جدوجہد نہ کرے وہ متاعِ حیات سے محروم رہ جاتی ہے اور متاعِ حیات سے محرومی یا اس کے حصول میں دوسروں کی محتاجگی' لعنت' ذلت کی زندگی اور خدا کا عذاب ہے۔

ATTENTION PLEASE

The Pakistan Idea emerged as a challenge to geographical nationalism. It was an attempt to solve the human tangle by experimenting an alternative to the prevalent systems.

The creation of Pakistan has caused a crack in the edifice of nationalism, and no matter what vicissitudes Pakistan may undergo, it will one day be remembered by world posterity as one of the earliest concrete challenges to geographical, racial and lingual nationalism and the first step in this century, however small, towards a global home for the human family.

Should you be interested to know about the background, the struggle and the achievement of the Muslims of the Indo-Pak subcontinent please ask for the book :

THE PAKISTAN IDEA

BY

MISS SHAMIM ANWAR

Price : Rs. 100 plus Packing and Postage.

TOLU-E-ISLAM TRUST - 25B, Gulberg 2, Lahore 54660Pakistan:Phone 5764484/876219 : Fax 5764484

بسم اللہ الرحمن الرحیم ○

بیادِ پرویزؒ

پیمانِ وفا

(24 فروری 1985ء کو لکھا گیا وابستگانِ تحریک کے نام ایک خط)

اے ہم سفرو! یہ کیا ہوا۔ کس بدخواہ کی نظر لگ گئی۔ ہم پہ وہ گزر گئی جو لکھ نہیں سکتے۔ وہ بیتی جو کہہ نہیں سکتے۔ وہ ہوا جو سوچ نہیں سکتے۔

وہ جو بحرِ اُلفت تھا نہ رہا۔ وہ جو سایۂ شفقت تھا ڈھل گیا۔ وہ جو دریائے مروّت تھا خشک ہوا۔ وہ جو اُمیدوں کا شاہزادہ تھا چل دیا۔

غمِ زیست کے دکھیارو! مشفق مسیحا نفس چلا گیا۔ اب زخمِ دل پر محبت کی مرہم کون رکھے گا۔ اب کس کا روئے متبسم تمہاری نااُمیدی کو آس میں بدلے گا۔ اب دکھوں میں سہارا کون دے گا۔ کون دل شکستگی میں ہمیں گلے لگائے گا اور کس کی شگفتگیٔ مزاج کلبہ افلاس کو منور کرے گی۔

اے حلقۂ یاراں! رزمِ حق و باطل میں اب پشتیبان کون بنے گا۔ اب طلوعِ فجر کی اذان کون دے گا۔ اندھیرے کس طرح چھٹیں گے۔ اب آخری فتح و نُصرت کی بشارتیں کون دیا کرے گا۔

جہانِ شوق تھا اُجڑ گیا۔ بزمِ آرزو تمام ہوئی۔ فسانۂ مہر و کرم ختم ہوا۔

"مگر نہیں۔ اے دلِ الم نصیب! ٹھہر۔ سُن یہ کیا آواز آ رہی ہے۔ ہوش کے کانوں سے صدائے دوست سن۔ فرمایا:۔

"بے شک میں اب چراغِ سحری ہوں لیکن اس میں گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ فطرت کا قانون ہے کہ ہر سحر کے بعد صبح کی نمود ہوتی ہے۔ اس لیے میرے بجھنے کے بعد تاریکی نہیں، اُجالا ہو گا۔" (پرویزؒ)

اللہ اکبر! انسانیت کے روشن مستقبل پر اس قدر سچا اعتماد اور ایسا محکم یقین، صرف پرویزؒ صاحب کے ہاں ہی مل سکتا ہے۔ اُمیدوں کی یہ نور بھری قوسِ قزح صرف وہی دل بن سکتا ہے جو محبت سے لبریز ہو۔

یہ صدا کیسی انسان آفریں۔ انسان پرور اور انسان دوست ہے۔ اسے سُن کر کس کا دل زندہ رہنے کو نہ چاہے گا۔

شروع فروری کی ایک ٹھٹھری ہوئی صبح تھی۔ محترم، بڑھتی ہوئی اذیت سے زچ اور نقاہت سے نڈھال تھے۔ علالت نے تشویشناک صورت اختیار کر لی تھی۔ میں حاضرِ خدمت تھا۔ وہ آہستہ آہستہ وصیت کے انداز میں باتیں کہہ رہے تھے۔ میرا دل سخت بوجھل اور طبیعت اُداس تھی۔ ان کی ایک ایک بات پر یوں محسوس ہوتا، جگر کٹ رہا ہے

ایسے میں انہیں کچھ یاد آیا۔ ہمیشہ سے، جب

سے میں نے حاضری دینا شروع کی تھی یہ دستور رہا کہ آئندہ ماہ شائع ہونیوالا طلوع اسلام یا اس کا مسودہ ہمیشہ مجھے پڑھواتے اور مشورہ لیتے۔ میں اس طریق کے لئے بے حد ممنون رہتا تھا اور اسے اپنے پر ان کا احسان اور شفقت سمجھتا۔

لیکن علالت کے دوران یہ دستور ٹوٹ گیا تھا۔ یاد آیا۔ تو ایکدم بات کرتے کرتے رک گئے۔ اشارہ سے شیخ صاحب کو کہہ کر طلوع اسلام کا شمارہ منگوایا۔ اسے ہاتھ میں لے کر کچھ دیر بڑی محبت اور حسرت سے دیکھتے رہے۔ پھر مجھے دیا اور اشارہ کیا کہ میں ورق گردانی کر کے مشورہ دوں۔

کھولا تو صفحہ اول پر بعنوان لمعات' حالات حاضرہ پر تبصرہ' حسب سابق موجود تھا۔ وہی گہرائی۔ وہی گیرائی۔ وہی شائستگی' وہی شان موجود تھی۔ تازگی بھی تھی اور تمازت بھی۔ قرآن کریم کے ترازو مین تلا ہوا انصاف کہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو گیا تھا۔ حق گوئی اور بے باکی سے نہایت کھری اور نڈر زبان میں موجود تھا۔

میں نے سوچا اس حالت میں بھی چمنِ طلوعِ اسلام کی آبیاری کئے جا رہے ہیں۔ قلتِ جاں کے باوجود خون جگر کا ہدیہ پیش کئے جا رہے ہیں۔ دم بخود ہو کر پوچھا : بابا جی خدانخواستہ کوئی حادثہ ہو گیا تو ہم کیا کریں گے۔ نقاہت کے باوجود چہرہ اک عزمِ صمیم سے دمک اٹھا۔ رُخِ روشن پہ اُمیدِ فردا کی سرخی جھلکنے لگی۔ سہارا لے کر اٹھ بیٹھے۔ آنکھیں اشکبار تھیں لیکن لب ہمیشہ کی طرح تبسم کناں تھے۔ جلال سے کہنے لگے۔ "ذرا دیکھو اپنے چاروں طرف۔ دیکھو میں نے کیسے ان گنت۔ کتنے خوبصورت چراغ جلا دیئے ہیں۔ اب بھی تاریکیوں سے ڈرتے ہو۔ اب بھی بے یقینی میں مبتلا ہو۔ ظفر صاحب' اطمینان رکھو۔ اب اندھیرے کبھی نہیں لوٹیں گے۔ اب روشنیاں کبھی ماند نہیں پڑیں گی۔ یقیناً" میرے رب کا قول پورا ہو کر رہے گا۔" پھر کہا "سنو! اب منزل زیادہ دور نہیں۔ ہمت سے کام لیں' راہیں خود بخود روشن ہو جائیں گی۔"

اپنے آنسوؤں کی دھند میں ان کی طرف دیکھا تو اشک رواں کی لہر جاری تھی مگر چہرہ پر ایک سکون۔ ایک عزمِ مصمم و دل کش روشنی تھی۔ کہنے لگے "بھئی میرا آپ لوگوں سے بچھڑنا کیسا۔ مجھے جانا بھی کہاں ہے۔ میرا دل۔ میری روح۔ میری آرزوئیں۔ میری تمنائیں سبھی تو اس قرآنی مشن میں سموئی ہوئی ہیں۔ میں تو سدا اس مہم میں حاضر و موجود رہوں گا۔ قران کریم کی مشعلِ نُور پاش اُٹھا کر منزلِ انسانیت کی طرف بڑھتے جایئے۔ مستقل اور مسلسل جدوجہد' ان تھک اور ان مٹ لگن' جذب صادق اور یقینِ لازوال۔ میرے رفیقو ! تم مجھے ہمیشہ ہمراہ پاؤ گے۔ اپنے قدموں کی آواز کے ساتھ میری چاپ بھی ضرور سنو گے۔ میرا دل ہمیشہ تمہارے ساتھ دھڑکے گا۔ یقین مانو ! بہاریں آ کے رہیں گی۔ صبحِ نور طلوع ہو کر رہے گی۔"

مجھ غم نصیب کی ان سے یہ آخری ملاقات تھی۔ اس کے بعد وہ شفقتوں کے در مجھ پر ہمیشہ کے لئے بند ہو گئے۔ آفتابِ کرم روٹھ گیا اور میرے بابا جی نے مجھ سے بول چال بند کر دی۔

"میں نے فانی ڈوبتے دیکھی ہے نبض کائنات"
اے روحِ پرویز مطمئن رہ' یہ علم قرآنی ہمیشہ

بلند رہے گا۔ یہ قندیلیں ہمیشہ روشن رہیں گی اور تیرے جاں نثار صدق دلی اور یقین محکم سے پیہم آگے بڑھتے رہیں گے۔

جب تک رگ زیست میں ایک بھی سانس باقی ہے تیرے میکشوں کا یہ قافلۂ جاں فروش مسلسل رواں دواں رہے گا۔ یہ مشن جاری وساری رہے گا۔ **ھی حتی مطلع الفجر**۔ اور یہ زمین اپنے نشوونما دینے والے کے نور سے جگمگا اٹھے گی۔

"اچھے باباجی ! ہم آپ کو مایوس نہ کریں گے۔ یہ ہمارا عہد ہے۔ ہمارے اور آپ کے درمیان خدا کی کتاب ضامن ہے۔

○○○○ ○○○ ○○○○

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم ○

پروفیسر نجمی صدیقی
موضع سہام راولپنڈی کینٹ

قرآن سے

قرآن سے مل جائے رضا جسکو خدا کی حاجت نہیں رہتی اسے نقش کف پا کی
خالص ہے اگر دین تو قرآن کا دیں ہے جو اسکے علاوہ ہے وہ صورت ہے ریا کی
قرآن کی رسی کو نہ چھوڑو کہ اڑا کر لے جائیگی شدت تمہیں طاغوتی ہوا کی
اعمال میں آ جائیں اگر اُسوۂ حسنہ دنیا نظر آنے لگے محبوبِ خدا کی
اس روز سے ہم قعرِ ذلت میں ہیں جب سے تعلیم سے قرآن کی تعلیم جدا کی
تاریخ پہ ایمان ہے جو قرآں پہ نہیں ہے لذت کے لئے ہم نے ہر اک چیز روا کی
ہم تارک دنیا بھی ہوئے تارک دین بھی قرآن کی تعلیم سے یہ ہم نے وفا کی
اس دوغلے پن نے تو کہیں کا نہیں چھوڑا دنیا کی اطاعت ہے اذانیں ہیں خدا کی

بچھڑے درِ احمدؐ سے کچھ اس طرح سے نجمی
قرآن سے منہ موڑ کے در در پہ صدا کی

بسم اللہ الرحمن الرحیم ○

علامہ غلام پرویزؒ

ہلال عید ہماری ہنستی اڑاتا ہے

> وہ نظریۂ زندگی، وہ نظامِ حیات، وہ تہذیب، وہ تمدّن کبھی باقی نہیں رہ سکتا جس میں انسان اور انسان میں فرق کیا جائے جو بلا تفریق تمام نوعِ انسانی کیلئے یکساں باعثِ منفعت نہ ہو۔

بنیادی طور پر لفظ عید کے معنی ہیں بار بار لوٹ کر آنے والا واقعہ، لیکن اصطلاحاً اس سے مُراد ہے وہ جشنِ مسرّت جو بار بار آئے۔ قرآنِ کریم میں یہ لفظ صرف ایک جگہ آیا ہے، اور وہ ہے وہ مقام جہاں حضرت عیسیٰؑ کے جاں نثار حواریوں نے آپ سے عرض کیا تھا کہ آپ خدا سے درخواست کیجئے کہ وہ ہمارے لئے مَائِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ اتارے تاکہ اس سے ہماری جسمانی پرورش کے علاوہ ہمارے قلوب کو بھی اطمینان حاصل ہو۔ اس پر حضرت عیسیٰؑ نے خدا سے درخواست کی کہ - رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا لِّاَوَّلِنَا وَ اٰخِرِنَا وَ اٰيَةً مِّنْكَ وَ ارْزُقْنَا وَ اَنْتَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ (5/ ...114) اے ہمارے پروردگار! ہماری نشوونما کا سامان آسمان سے عطا فرما تاکہ وہ رزق اس جماعت السابقون الاولون کے لئے بھی موجبِ جشن مسرّت ہو اور ان کے بعد آنیوالوں کے لئے بھی ----- تو بہترین رزق عطا کرنے والا ہے۔" سوال یہ ہے کہ یہ مائدۃ من السماء آسمان سے اترنیوالا۔ رزق --- کیا تھا جس کی درخواست خدا سے کی گئی تھی اور جو اُن کے لئے باعثِ جشنِ مسرّت تھا۔ اعجوبہ پسندوں نے تو، حسبِ معمول، اسے بھی ایک چیستان بنا دیا اور کہا کہ حواریوں کے لئے آسمان سے پکے پکائے کھانے کا طشت اترا کرتا تھا، جتنے کہ اس میں جو کھانے اترتے تھے ان کی تفاصیل تک بھی دینے لگ گئے۔ لیکن جن کی نگاہیں قرآنی حقائق پر ہیں وہ جانتے ہیں کہ جماعتِ مومنین جب آسمان سے رزق طلب کرتی ہے تو اس سے اُن کی مراد کیا ہوتی ہے۔ ایک رزق وہ ہے جو انسانوں کے خود ساختہ نظام کی رُو سے ملتا ہے۔ یہ وہ رزق ہے جس سے جسم تو زندہ رہتا ہے لیکن شرفِ انسانیت کی موت واقعہ ہو جاتی ہے اور دوسرا رزق وہ ہے جس سے جسم انسانی کی نشوونما کے ساتھ، شرف و تکریمِ انسانیت کی بھی بالیدگی ہوتی ہے۔ اقبالؒ کے الفاظ ہیں۔

ایں خدا نانے دہد جانے برد
آں خدا نانے دہد جانے دہد

یہی وہ سماوی اقدار کے مطابق ملنے والا رزق

... انہوں نے کہا تھا کہ اَنْ تَأْكُلَ مِنْهَا ... وہ ہمارے لئے وجۂ زیست بھی ... اطمینانِ قلب بھی۔ مومن کے لئے ... رزق ہو سکتا ہے جس سے اطمینان ... حاصل ہو ... اور ظاہر ہے ... (11/28) ... (5/111) ... کی نشانی اور اس ... [illegible]

اس میں شبہ نہیں ... (بنیادی ضروریات) ... ہیں۔ لیکن ... بھی کوئی ... ارتقاء حیات کی ... انسان کی طبعی زندگی کا مدار روٹی ہی ... یہی وجہ ہے ... نظامِ خداوندی میں روٹی کو اس قدر اہمیت حاصل ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کی پہلی ... دعا بن کر ان کے لبوں تک آتی ہے' یہی ... رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ (2/126) اے میرے نشوونما دینے والے! ... بستی کو پُرامن بنا دے اور اس کے رہنے والوں کو ہر طرح کا رزق مہیا کر دے۔ قرآنِ کریم ... متعدد مقامات میں' رزقِ فراواں کو خدا کا انعام اور بھوک کو اس کا عذاب قرار دیا گیا ہے۔ اس نے ... واضح الفاظ میں کہہ دیا کہ مَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِیْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا (20/124) اور ... جہاں روزی تنگ ہو گی' اسے قیامت کے دن ... اندھا اٹھایا جائے گا' یہی وہ لوگ ہیں جن کے ... لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ (7/40) ... آسمان کے دروازے نہیں کھولے جاتے۔ ... خدائے جلیل کا وہ اعلانِ عظیم جس کی تشریح

میں کی ... اس بستی میں کسی ایک ... نے ... صبح کی کہ وہ رات بھر بھوکا رہا' ... نے اپنی حفاظت کا ذمّہ اٹھا لیا۔"

... عدمِ مساوات انسانیہ جسے مٹانے کے ... آیا تھا۔ اگر اس بستی پر کوئی آفت آ گئی ... اور ایسا بعض اوقات ہنگامی حالات میں ہو جاتا ہے) تو اس کے تمام باشندوں کو بھوکا رہنا چاہئے تھا لیکن ایسا نظام جس میں بستی کے چند افراد تو پیٹ بھر کر کھا لیں لیکن دیگر افراد بھوکے رات کاٹیں' یہ اسلامی نظام نہیں کہلا سکتا۔ اس لئے اس بستی پر سے خدا کی حفاظت کا ذمہ ختم ہو جاتا ہے۔ خدا تو اس نظام کی حفاظت کا ذمہ لیتا ہے جو اس کے قوانین کے مطابق تشکیل پائے۔ وہ نظریۂ زندگی' وہ نظامِ حیات' تہذیب و تمدن کبھی باقی نہیں رہ سکتا جس میں انسان اور انسان میں فرق کیا جائے۔ جس میں طبقاتی تقسیم ہو۔ فلاح اور بقا اسی نظریہ' اسی نظام اسی تمدن کے لئے ہے جو بلا تفریق تمام نوعِ انسان کے لئے یکساں باعث منفعت ہو۔ مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِی الْاَرْضِ (13/17) حقیقت یہ ہے کہ بھوکے آدمی کے لئے تمدنی ترقی کا کوئی شعبہ بھی وجۂ کشش اور باعثِ طمانیت و تسکین نہیں ہو سکتا۔ کسی بھوکے آدمی کو جناح باغ لے جا کر بہار کی رنگینیاں اور کیف آفرینیاں دکھایئے' وہ انہیں کبھی (APPRECIATE) نہیں کر سکے گا۔ اسے بتایئے کہ ملک میں بجلی اس قدر عام ہو گئی ہے ... گھر قمقمے جل رہے ہیں۔ سڑکوں کا جال بچھ گیا ہے۔ سربفلک عمارات کھڑی ہو گئی ہیں۔ بڑے بڑے گرانڈیل کارخانے مصروفِ کار ہیں۔ فضا میں طیارے پَر فشاں ہیں۔ زمین پر ... بل خرام

یہ سن کر کہے گا کہ یہ سب ٹھیک ہے لیکن میرے دکھ کی دوا کرے کوئی --- بھوک میں ل نزہت آفرینیوں اور بجلی کے قمقموں کی نیوں سے لطف اندوز ہونا تو ایک طرف، سعدیؒ الفاظ میں، بھوکے کی تو کیفیت یہ ہوتی ہے کہ وہ رات کو نماز کے لئے کھڑا ہوتا ہے تو اس ن میں غرق ہوتا ہے کہ ---- چہ خورد بامداد زندم ---- صبح میرے بچوں کو روٹی کہاں سے ملے گی --- اس سے بھی آگے بڑھیئے، جاہلیہ عرب میں قبیلہ بنو حنفیہ نے آٹے کا ایک بُت بنا رکھا تھا جس کی وہ پرستش کرتے تھے۔ لیکن جب قحط پڑا تو وہ اپنے اس خدا کو بھی کھا گئے۔ اور ایک قبیلہ بنو حنفیہ ہی پر کیا منحصر ہے، ہر بھوکا اس خدا کو کھا جاتا ہے جو اسے روٹی نہیں دیتا۔ روس کے انقلابیوں نے اسی طرح اس خدا کو کھا لیا تھا جس کے متعلق انہیں بتایا گیا تھا کہ ان کی مفلسی اور مفلوک الحالی کا ذمہ دار وہی ہے --- لہٰذا جس شخص کے پیٹ میں روٹی نہیں، جس کے پاس تن ڈھانپنے کو کپڑا نہیں، جسے سر چھپانے کے لئے چھت میسر نہیں، جس کے پاس دم توڑنے والے بچے کے حلق میں ٹپکانے کے لئے دودھ کے چار قطرے نہیں، اس کے لئے دنیا کی کوئی جاذبیت وجہِ سکون اور باعثِ دلکشی نہیں ہو سکتی کہ ملک میں دس ہزار اسکول کھل گئے ہیں اور دو ہزار کالج قائم ہو گئے ہیں ---- قوم کی ترقی کا معیار ایک اور فقط ایک ہے اور وہ یہ کہ اس میں ہر ایک فرد کو کیا میسر آتا ہے۔ یہ نہیں کہ اس میں چند انسانوں کو کیا حاصل ہو گیا ہے۔ اور کیا حاصل ہو رہا ہے --- جنت کی تو بنیادی خصوصیت ہی یہ ہے کہ اس میں جس قدر سامانِ آسائش و آرائش ہے، ہر ایک کے لئے یکساں ہے جس جنت میں مساواتِ انسانیہ نہیں، وہ جنت نہیں جہنم ہے۔

دینِ خداوندی کا مقصد ایک ایسا نظام قائم کرنا ہے جس میں ہر انسان کی مضمر صلاحیتیں پوری پوری نشوونما پا کر پروان چڑھ جائیں اور اس طرح وہ زندگی کی ارتقائی منازل طے کرنے کے قابل ہو جائے۔ یہ صلاحیتیں اسی صورت میں برومند ہو سکتی ہیں جب وہ سامانِ زیست کے لئے کسی انسان کا دست نگر نہ ہو۔ رزق کو اپنے ہاتھ میں لینے والی قوتیں اتنا ہی نہیں کرتیں کہ وہ لوگوں کو مفلس اور محتاج بنا دیتی ہیں وہ ان کی صلاحیتوں کو ابھرنے نہیں دیتیں۔ اس لئے کہ انہیں خطرہ ہوتا ہے کہ اگر ان کے تابع فرمان کام کرنے والوں کی صلاحیتیں نشوونما پا گئیں تو وہ سر اٹھا کر چلنے کے قابل ہو جائیں گے اور انہیں حیوانات کی طرح دبا کر رکھنا مشکل ہو جائے گا۔ لہٰذا ان کی انتہائی کوشش یہ ہوتی ہے کہ وہ صرف حیوانی سطح پر زندہ رہیں، انسانی سطح پر کبھی نہ آ سکیں۔ آپ سوچئے کہ جب انسانوں کی اکثریت کو اس طرح ابھرنے اور آگے بڑھنے سے روک دیا جائے تو یہ چیز ارتقائے انسانیت کے راستے میں کس قدر سنگِ گراں بن جائے گی۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے اکتناز دولت کرنے والے سرمایہ داروں اور ان کے شریکِ کار مذہبی پیشواؤں کے متعلق کہا ہے کہ وہ کاروانِ انسانیت کا راستہ روک کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ انہیں خدا کی طرف جانے ہی نہیں دیتے۔ **وَيَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ** (9/34)

قرآن بتاتا ہے (اور تاریخ اس کی شہادت دیتی ہے کہ) خدا کا رسول اس قسم کا انقلابی نظام تشکیل دے کر چلا جاتا۔ اس کے کچھ عرصہ بعد مفاد پرست

... سر نکالتا اور اس نظام کو الٹنے کی ... لیکن وہ تنہا ایسا نہیں کر سکتا تھا۔ اس ... لئے مذہبی پیشوائیت کو اپنے ساتھ ملاتا۔

مذہبی پیشوائیت کرتی ہی یہ ہے کہ نظامِ خداوندی کے اُس حصہ کو جس سے مفاد پرستوں کی ... کوششوں پر زد پڑتی ہو' پسِ پشت ڈال دیتی ہے اور ظواہر و رسوم کی چھوٹی چھوٹی باتوں کو اتنی اہمیت دیتی ہے کہ وہ عین دین بن جاتی ہیں۔ یہ ہے ان کی وہ ٹیکنیک جس سے وہ قوم کو اس فریب میں مبتلا رکھتے ہیں کہ وہ دینِ خداوندی پر عامل ہے۔

جس طرح سابقہ امتوں کے احبار و رہبان نے یہ چال چلی تھی' اسی طرح مسلمانوں کے ساتھ ہوا۔ ان کے ہاں بھی دین کی اصل و اساس کو پسِ پشت ڈال دیا گیا اور چھوٹی چھوٹی جزئیات کو بڑھا چڑھا کر عین دین بنا دیا گیا۔ اب سارا زور ان جزئیات کی اہمیت پر دیا جاتا ہے اور کوشش کی جاتی ہے کہ دین کی اصل و بنیاد کو سامنے نہ آنے دیا جائے۔ اس مقصد کے لئے کچھ روایات اور حکایات وضع کی جاتی ہیں جنہیں کبھی حضور نبی اکرمؐ کی ذاتِ گرامی کی طرف منسوب کر دیا جاتا ہے اور کبھی سلفِ صالحین کی طرف۔

دین کے نظام میں' نماز' روزہ' حج وغیرہ وہ ذرائع تھے جن سے دین کا مقصود حاصل ہوتا تھا۔ یعنی مساواتِ انسانیہ اور احترامِ آدمیت کا مقصدِ عظیم۔ لیکن مذہب میں یہی چیزیں مقصود بالذات بن گئیں۔ نتیجہ اس کا یہ کہ اب زور نماز' روزہ وغیرہ کی ظاہر اور رسمی ہیئت کی اہمیت پر دیا جاتا ہے اور اس مقصد کو سامنے لایا ہی نہیں جاتا جس کے حصول کا یہ ذریعہ تھے۔ اس کے برعکس' قرآن کو دیکھئے تو وہ سارا زور مقصد پر دیتا ہے۔ غور سے سنیئے کہ وہ اس باب میں کیا کہتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ

"نیکی اور کشاد کی راہ یہ نہیں کہ تم اپنا منہ مشرق کی طرف کرتے ہو یا مغرب کی طرف' نیکی کی راہ اسکی ہے جو ایمان لائے اللہ پر' اس کے قانونِ مکافاتِ عمل کے لئے حیاتِ آخرت پر' **ملائکہ** پر' ضابطۂ خداوندی پر' اور ان انبیاء پر جن کی وساطت سے یہ ضوابطِ خداندی دنیا کو ملے۔ ان امور پر ایمان لائے اور پھر مال کی محبت کے باوجود اسے ان لوگوں کی ضروریات پوری کرنے کے لئے دے دے جو اس کے قرب و جوار میں (یا رشتہ داروں میں) محتاج ہوں۔ جو معاشرہ میں تنہا رہ گئے ہوں۔ جن کا چلتا ہوا کاروبار رک گیا ہو' یا اُن میں کام کرنے کی استطاعت نہ رہے۔ یا ایسے مسافر جن کے پاس زادِراہ نہ رہے' یا وہ جن کی کمائی ان کی ضروریات پوری کرنے کے لئے کافی نہ ہو۔ یا جو لوگ دوسروں کی محکومی کی زنجیروں میں جکڑے ہوں۔ انہیں آزاد کرانے کے لئے اپنی فاضلہ دولت کو وقف کر دیں۔ نیکی کی راہ ان لوگوں کی ہے" --- الخ (2/177)

قرآن کریم نے واضح الفاظ میں بتایا ہے کہ نیکی اور سعادت کی راہ' ارکانِ اسلامی کی رسمی پابندی نہیں۔ نیکی اور کشاد کی راہ اس کی ہے جو دین کے مقصود و منتہٰی پر نگاہ رکھے۔ اس سلسلہ میں قرآن نے دوسرے مقام پر کہا ہے۔

"کیا تم سمجھتے ہو کہ حاجیوں کے لئے پانی کی سبیلیں لگا دینے اور مسجد الحرام کی آباد کاری کے مختلف کام سرانجام دے دینے سے انسان اس شخص کے برابر ہو جاتا ہے جو خدا اور حیاتِ آخرت پر ایمان رکھے اور خدا کی راہ میں مسلسل جدوجہد کرے۔ (تم اپنے خود تراشیدہ تصوّرِ مذہب کی رُو سے

[...] اس سمجھ لو) میزانِ خداوندی میں یہ دونوں کبھی [...] نہیں ہو سکتے' (جو ایسا سمجھتے ہیں وہ ظلم کرتے [...]) اور خدا کا قانونِ مشیت یہ ہے کہ ظالمین پر [...] و سعادت کی راہ کبھی نہیں کھلتی۔

یاد رکھو ! جو لوگ خدا کے متعین کردہ نصب [...] (آئیڈیالوجی) پر یقین محکم رکھتے ہیں اور نظامِ [...]داوندی کے قیام و بقاء کے لئے اپنی جان اور مال [...] مسلسل جدوجہد کرتے ہیں اور اس بلند مقصد کے [...]صول کے لئے جو کچھ چھوڑنا پڑے' اسے بلا تأمل و [...]تف چھوڑ دیتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جن کے مدارج [...]یارِ خداوندی کے مطابق بہت بلند ہیں اور یہی لوگ [...]رحقیقت کامیاب و فائز المرام ہیں۔ (9/19-20)

یہی وہ نظام تھا جس میں کوئی فردِ معاشرہ تو ایک طرف' (حضرت عمرؓ کے ارشاد کے مطابق) اگر کوئی [...]تا بھی بھوک سے مر جاتا تو معاشرہ کا سربراہ اپنے آپ کو مجرم تصور کرتا تھا۔ اور یہی تھا وہ نظام جس میں مملکت کا سربراہ اس وقت تک گیہوں کی روٹی نہیں کھاتا تھا جب تک اسے یقین نہ ہو جائے کہ مملکت کے ہر فرد کو گیہوں کی روٹی مل رہی ہے۔ اس لئے کہ اس نظام کا مقصد مساواتِ انسانیہ تھا۔ آپ ہمارے واعظوں کو جھوم جھوم کر بیان کرتے دیکھیں گے کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ میں نے رسولؐ اللہ کا کوئی کپڑا کبھی تہہ کر کے نہیں رکھا۔ اور حضرت عمرؓ منبر پر کھڑے تھے تو دیکھا گیا کہ ان کے تہبند میں دس بارہ پیوند تھے۔ وہ ان واقعات کو بیان کر کے تاثر یہ دیں گے کہ یہ ان حضرات کی ذاتی اور انفرادی خوبیاں تھیں۔ وہ کبھی یہ نہیں کہیں گے کہ یہ فطری نتیجہ تھا اس نظام کا جس کی بنیاد انسانی مساوات پر تھی۔ وہ نظام جس میں تمام افرادِ معاشرہ کا معیارِ زیست ایک جیسا تھا جس میں جو ایک کو میسر آتا تھا وہی سب کو مہیا ہوتا تھا۔

آگے بڑھنے سے پہلے میں اس مساوات کی تھوڑی سی تشریح ضروری سمجھتا ہوں۔ یہ مساوات ایسی نہیں تھی جیسے جیل خانہ میں قیدیوں کو ایک جیسی وردی پہننے کو اور ایک جیسی روٹی کھانے کو ملتی ہے (ضمناً" اب تو جیل خانوں میں بھی یہ مساوات باقی نہیں رہی۔ ایک امیر اور غریب آدمی ایک ہی جرم کے مرتکب ہوتے ہیں اور عدالت سے انہیں ایک ہی جیسی سزا ملتی ہے۔ لیکن جیل خانہ میں امیر آدمی کو اے کلاس دیدی جاتی ہے اور غریب آدمی کو سی کلاس اور دیگر آسائشوں کے علاوہ یہی سی کلاس قیدی اس اے کلاس والے کو بطور خدمتگار عطا کر دیا جاتا ہے۔ یعنی دونوں ایک جیسے مجرم ہیں لیکن ان میں سے وہاں بھی ایک آقا ہے اور دوسرا اس کا غلام) بہرحال میں کہہ یہ رہا تھا کہ مساواتِ انسانیہ سے مراد' جیل خانہ کی سی مساوات نہیں' اس سے مراد ایسی مساوات ہے جو ایک شریف گھر کے افراد میں ہوتی ہے۔ اس میں گھر کی آمدنی میں سے ہر ایک فردِ خاندان کو اس کی ضرورت کے بقدر ملتا جاتا ہے۔ ان میں فرق ضروریات کا ہوتا ہے معیارِ زندگی کا نہیں۔ یہی کیفیت قرآنی نظام میں افرادِ معاشرہ کی ہوتی ہے۔ اس میں قوم کے سارے بچوں کو ابنائے ملت سمجھا جاتا اور ان کی مضمر صلاحیتوں کی نشوونما کے لئے یکساں انتظام کیا جاتا ہے۔ اس کے بعد ہر ایک کی صلاحیتوں کے مطابق تقسیمِ کار کر دی جاتی ہے۔ ہر فرد اُس کام کو نہایت محنت اور دیانت سے سرانجام دیتا ہے جو اُس کے سپرد کیا جاتا ہے' اور نظامِ معاشرہ اُس کی اور اُس کے بال بچوں کی ضروریاتِ زندگی

[illegible] ہے۔ اس میں معیارِ زیست تو سب کا [illegible] لیکن انفرادی ذوق اور پسند کا میدان [illegible] یعنی انسان اور انسان سب برابر [illegible] مرد اور عورت کی بھی کوئی تخصیص [illegible] معاشرہ میں مدارج ہر ایک کے [illegible] ذاتی [illegible] ت و کردار اور حسنِ کارکردگی [illegible] ضروریاتِ زندگی کے مہیا کئے جانے میں انفرادی [illegible] ذوق کے مطابق انتخاب کی گنجائش۔ [illegible] دولت بڑھتی جائے' معاشرہ کا معیارِ زیست بلند ہوتا چلا جائے۔ یہ ہے نقشہ قرآنی نظامِ معاشرہ میں مساواتِ انسانیہ کا۔ یہی تھی وہ مساوات جس کے لئے اس نظام کے ارکان صلوٰۃ' صیام' حج' زکوٰۃ وغیرہ ---- کا تعین کیا گیا تھا۔ ہمارا واعظ اب بھی مساوات کا ذکر کرتا ہے' اور بڑے فخر کے ساتھ کرتا ہے۔ لیکن اب اس مساوات کی صرف رسم باقی ہے۔ اس کی رُوح اور حقیقت غائب ہے۔ اب بھی ہماری مسجدوں میں "محمود و ایاز" ایک ہی صف میں کھڑے ہوتے ہیں لیکن ان میں یہ مساوات صرف مسجد کی صف تک محدود ہوتی ہے۔ مسجد سے باہر نکلتے ہی ---- بلکہ اس صف سے اُٹھنے کے بعد صحنِ مسجد میں ہی محمود' محمود ہوتا ہے اور ایاز' ایاز۔ عرفات کے میدان میں بھی بے شک امیر اور غریب سب ایک بن سلی چادر میں ملبوس کھڑے ہوتے ہیں لیکن وہاں سے لوٹنے کے بعد امیر حاجی جس ایرکنڈیشنڈ کمرے میں رات بسر کرتا ہے' غریب بچارا اس کا تصور مرنے کے بعد کی جنت میں ہی کر سکتا ہے۔ اس زندگی میں کبھی نہیں کر سکتا۔

ہمارا واعظ اب بھی بتاتا ہے کہ دیکھئے۔ روزہ میں غریب اور امیر ایک ہی طرح سارا دن بھوکے اور پیاسے رہتے ہیں۔ یہ اسلامی مساوات ہے لیکن وہ اس فرق کو کبھی سامنے نہیں لاتا جو ان دونوں کی سحری اور افطار میں ہوتا ہے۔ امیر کے بیٹے کی پہلی افطاری کے جشن میں جو کچھ ایک شام کو صرف ہو جاتا ہے وہ اس غریب کی سال بھر کی آمدنی سے زیادہ ہوتا ہے۔

اس رسمی اور روایتی مساوات کا بھانڈا بالآخر عیدگاہ میں جا کر پھوٹتا ہے۔ جس انداز سے عید کے چاند کا انتظار ہوتا ہے اور جس ذوق و شوق اور جوش و خروش سے اس کا استقبال کیا جاتا ہے اس سے یوں نظر آتا ہے گویا ساری قوم ہمہ تن جشنِ مسرت ہے لیکن صبح جب عید کے اجتماع کے لئے جایئے تو دُور ہی سے یہ آواز فضا میں تھرتھری پیدا کرتے دکھائی دیتی ہے کہ "بابا ! خدا کے نام پر چار پیسے دیتے جایئے۔ میرے بچے بھوکے ہیں۔" "میاں صاحب ! اللہ کے واسطے میری جھولی میں کچھ ڈالتے جایئے۔ میں ایک لاوارث بیوہ ہوں۔ ایک اور جگر خراش صدا وجہٗ سوہان روح بنتی ہے کہ "بابا ! میں تین مہینے سے بیمار اور لاچار ہوں۔ میری دوائی کے لئے کچھ دیتے جایئے۔ خدا تمہاری نماز' روزے قبول کرے گا۔" یہ زہرہ گداز اور دل سوز آوازیں سنتے سنتے آپ عیدگاہ میں داخل ہوں' تو وہاں اس سے بھی زیادہ جگر پاش منظر دکھائی دے گا۔ فاقوں کے مارے ہوئے زرد زرد چہرے۔ افلاس و غربت کے جھنجوڑے ہوئے ہڈیوں کے ڈھانچے' افسردہ پیشانیاں' پژمردہ آنکھیں۔ پوری فضا پر غربت انگیز مایوسیوں کی ہولناکی مسلط۔ اس سے پہلے' پھر بھی ایسا ہوتا تھا کہ ہر شخص کو بالعموم اور بچوں کو بالخصوص کم از کم سال میں ایک بار عید کے موقعہ پر نئے کپڑے ضرور مل

جاتے تھے۔ اب آپ عیدگاہ کے اجتماع پر نگاہ ڈالئے۔ شاید ایک فیصد نمازی بھی ایسے نظر نہ آئیں گے جو نئے کپڑوں میں ملبوس ہوں ---- باقی سب نے انہی پرانے کپڑوں کو دھو کر تن ڈھانپ رکھا ہو گا اور ان میں بھی اکثر ایسے جن کے کپڑوں کے چیتھڑے اڑے ہوئے ہوں ----- ادھر چندہ مانگنے والے صفوں میں جھولیاں لئے پھر رہے ہیں۔ ادھر امام صاحب صدقۂ فطر کے فضائل بیان فرما رہے ہیں اس سے وہ سرمایہ داروں کو جنت کی بشارتیں دیتے ہیں اور غریبوں اور محتاجوں کو تقدیرِ خداوندی پر شاکر رہنے کی تلقین فرماتے ہیں اور اس طرح ان کی نگاہ کبھی اُس باطل نظام کی طرف اٹھنے نہیں دیتے جس کی پیدا کردہ ناہمواریوں کا نام تقدیرِ خداوندی رکھ دیا جاتا ہے۔ یہ ہے اس قوم کا جشنِ عید' جسے جشن کہتے ہوئے شرم آتی ہے۔ یاد رکھیئے ! جس جشن میں قوم کا ایک فرد بھی حقیقی مسرت سے محروم رہ جائے' وہ جشن' جشن نہیں۔ قوم کی بدنصیبی کا ماتم ہے۔ عید اُسی قوم کی ہے جسے رزق (حضرت عیسیٰؑ کے الفاظ میں) خدا کے آسمانی نظام کی "رو" سے ملتا ہے اور جس میں ہر فردِ معاشرہ' بلامنتِ غیرے' بطور استحقاق' برابر کا شریک ہوتا ہے۔ جس قوم کو انسانوں کے خود ساختہ نظام کے تابع رزق ملے ------ جس کا نتیجہ یہ ہو کہ چند افراد تو قارون کے خزانے کے مالک ہوں اور باقی افرادِ معاشرہ روٹی کے ٹکڑے کے لئے بھی ترس رہے ہوں۔ اور اگر انہیں وہ ٹکڑہ ملے بھی تو شرف و تکریم انسانیت بیچ کر ملے ----- اس قوم کی عید ایک مقدّس فریب سے زیادہ کچھ حیثیت نہیں رکھتی۔ یہی وہ عید ہے جس کا ہلال' اُس قوم کی ہنسی اڑاتا ہے اور دنیا کی قومیں جس کی فریب خوردگی کا تماشہ دیکھنے کے لئے دور دور سے آتی ہیں۔

دین جب مذہب میں تبدیل ہو جاتا ہے تو اس کا نتیجہ یہی ہوتا ہے۔ اسی (عید کی) نماز کے لئے امام نے بتایا تھا کہ اس میں چھ زاید تکبیریں ہوتی ہیں۔ تکبیر کے معنی ہیں ----- اللہ اکبر کا اعلان ----- مذہب میں چھ چھوڑ کر' چھ سو مرتبہ بھی اللہ اکبر کہیئے تو اس کا دو لفظ دہرانے سے زیادہ نہ کوئی مفہوم ہوتا ہے' نہ کوئی نتیجہ لیکن دین کے نظام میں اللہ اکبر کے اعلان کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ خدا کے قانون سے بالا کوئی قانون نہیں اور آسمانی نظام سے برتر کوئی نظام نہیں۔ کائنات میں اقتدارِ اعلیٰ صرف خدائی نظام کو حاصل ہے اور اس کا منطقی نتیجہ یہ ہے کہ انسانوں میں اکبر واصغر کی کوئی تفریق نہیں۔ اس لئے کہ نہ کوئی کسی کا محتاج ہے نہ محکوم۔ سوچئے کہ اس تکبیر میں اور نمازِ عید کی موجودہ تکبیروں میں کس قدر فرق ہے۔ اقبال کے الفاظ میں:۔

الفاظ و معانی میں تفاوت نہیں لیکن
مُلّا کی اذاں اور مجاہد کی اذان اور
پرواز ہے دونوں کی اسی ایک فضا میں
کرگس کا جہاں اور ہے شاہیں کا جہاں اور

جشنِ عید شاہیں بچوں کا حق ہوتا ہے ---- مُردار خور کرگسوں کا نہیں -----

بسم اللہ الرحمن الرحیم ○

مرزائیت (قادیانیت) اور طلوع اسلام

جب قرآن کریم کی حیات افروز تعلیم اور دنیائے انسانیت کی سب سے عظیم انقلابی ہستی حضور نبی اکرمؐ اور آپ کے بے مثال رفقائے کارؓ کی مسلسل جدوجہد کے نتیجہ میں اُس انقلاب آور نظام کی تشکیل اپنے تکمیلی مراحل کے قریب آ پہنچی جسے خالقِ کائنات نے انسانیت کے لئے مقدر ٹھہرایا تھا تو ربِّ کائنات نے اپنے رسولؐ کو مخالفین کی طرف سے فتنہ و شر کی ان سازشوں سے آگاہ کیا جو اس انقلاب کے خلاف کی جانی تھیں اور ان سے محتاط رہنے کی تاکید کی۔

اللہ تعالیٰ نے ان سازشوں کی نشاندہی قرآنِ کریم کی آخری دو سورتوں میں کی ہے اور جن خصوصی گوشوں سے محتاط رہنے کی تاکید کی ہے وہ حسب ذیل ہیں۔

من شر ما خلق' من شر غاسق اذا وقب' من نشر النفثت فی العقد' اور **من شر الوسواس الخناس الذی یوسوس فی صدور الناس من الجنه والناس**

ان میں ہر ایک گوشۂ شر اپنے اندر بے پناہ تخریبی قوت رکھتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد' حضور نبی اکرمؐ کی ذاتِ اقدس واعظم اور آپؐ کے دورِ ہمایوں تک ہی محدود نہیں تھا بلکہ دنیا میں جہاں کہیں اور جب کبھی' **رجعت الی القرآن**' یعنی قرآنی معاشرہ کے قیام کی طرف بلائے جانے کی آواز اُٹھے گی' تو **داعیان الی القران** کو ان گوشہ ہائے فتنہ و شر سے محتاط رہنے اور ان سے حفاظت طلبی کی ضرورت رہے گی۔

ہم اس نشست میں صرف ایک گوشہ کو موضوعِ سخن بنا رہے ہیں اور وہ ہے۔

شرالوسواس الخناس الذی یوسوس فی صدور الناس من الجنة والناس

"ان لوگوں کی وسوسہ انگیزیوں سے جو دبے پاؤں آتے ہیں اور چپکے ہی چپکے کانوں میں کچھ پھونک کر پچھلے پاؤں لوٹ جاتے ہیں اور اس طرح لوگوں کے دلوں میں وساوس پیدا کر کے ان کے عزم راسخ کو کمزور کر دیتے ہیں۔ یہ کچھ جانے پہچانے لوگوں کی طرف سے بھی ہوتا ہے اور ایسے لوگوں کی طرف سے بھی جو اجنبی اور بیگانے ہوتے ہیں (لیکن ہوتے ہیں یہ سب فتنہ پرداز)"

اسے یہاں دہرانے کی شاید ضرورت نہ ہو کہ صدرِ اول میں اسلام کی تمام سرفرازیاں اور کامیابیاں تمسک بالقران کا ہی صدقہ تھیں۔ حضور نبیؐ اکرمؐ اور آپ کے خلفائے راشدینؓ کے سامنے قرآن کے علاوہ کوئی اور ضابطہ

رہنمائی نہ تھا۔

ہمارے صدر اول کے بعد' جب عجمی سازشوں نے' ہمارا اور ہمارے اللہ کا ساتھ چھڑا دیا' یعنی اس رابطہ کو منقطع کر دیا جس کا نتیجہ اللہ کی معیت اور اس کی کائناتی قوتوں کی اعانت و استقامت کی شکل میں ہمیں حاصل تھا اور اللہ کے دین کا غلبہ تھا (اللہ کی کتاب سے تمسک کا رابطہ) تو اسلام کی گاڑی کی پٹڑی یوں بدل گئی کہ مسلمان اپنی منزل مقصود سے دور ہی ہٹتے چلے گئے۔ وہ اسلام' جس نے ہمارے اولوالعزم اور بلندہمت بزرگوں کو آسمان کی بلندیوں تک پہنچا دیا تھا' رفتہ رفتہ غیر محسوس انداز میں اُس اسلام میں بدل گیا جو ہمارے ہاں صدیوں سے متوارث چلا آ رہا ہے اور جس کی کیفیت اقبالؒ نے یوں بیان کی ہے۔

تمدن' تصوف' شریعت' کلام
بتانِ عجم کے پجاری تمام

اور اس کا نتیجہ

حقیقت خرافات میں کھو گئی
یہ اُمّت روایات میں کھو گئی

" اور اس سازش کی ساحری کا کمال یہ ہے کہ ہمارے اربابِ مذہب' اصولاًت اور جزئیات تک میں ایک دوسرے کے مخالف ہیں' ان میں باہمی آویزش و کشمکش رہتی ہے۔ یہ ایک دوسرے کے خلاف کفر کے فتاوٰی تک صادر کرتے رہتے ہیں' لیکن جو شخص اِن سے یہ کہہ دے کہ

زقرآں پیشِ خود آئینہ آویز
دگرگوں گشتہ ! از خویش بگریز
ترازوئے بنہ کردارِ خود را
قیامت ہائے پیش را ہمہ انگیز

یہ سب کے سب متحدہ و متفقہ طور پر اس کے خلاف نبرد آزما ہو جاتے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ کیا عجم کی اس سازش کا توڑ ممکن ہے' اور اسلام کو اس ملبہ کے نیچے سے نکالا جا سکتا ہے؟ علامہ اقبالؒ کا جواب یہ ہے کہ ایسا ممکن ہے اور یقیناً" ممکن'

بشرطیکہ اسلامی دنیا اس کی طرف روحِ عمرؓ کو لے کر آگے بڑھے۔ وہ عمرؓ جو اسلام کا سب سے پہلا تنقیدی اور حرّیت پسند قلب ہے' وہ جسے رسولؐ اللہ کی حیاتِ طیبہ کے آخری لمحات میں یہ کہنے کی جرات ہوئی کہ " **حسبنا کتاب اللہ** " ہمارے لئے اللہ کی کتاب کافی ہے"۔ (خطباتِ اقبالؒ انگریزی ایڈیشن صفحہ 162 مطبوعہ شیخ محمد اشرف لاہور فروری 1977 صفحہ 162/شاہکار رسالت 1973 صفحہ 528)

جو سازشیں ہماری چودہ سو سالہ تاریخ میں ہوتی رہی ہیں' ان سے قطع نظر کرتے ہوئے ہم اپنے دور میں آتے ہیں۔ ہمارے ہاں (تقسیم سے قبل کے ہندوستان میں) جو فتنہ اسلام کے خلاف اٹھا اور جس کا مقصد ان کوششوں کی مخالفت تھا جو ہمارے عظیم رہنماؤں سر سید احمد خان' علامہ محمد اسلم جیراجپوری' علامہ محمد اقبالؒ کی طرف سے مسلمانانِ ہند کو رجعت الی القرآن کی دعوت پر مشتمل تھیں۔اس کی ابتداء انگریزوں کے دور میں ہوئی اور جس کا مقصد' مسلمانوں کے جذبۂ جہاد کو فنا کرنا تھا۔ یہاں یہ وضاحت کر دینا شاید خالی از مقصد نہ ہو گا کہ ہندو اور انگریز اس بات کو پوری گہرائی کے ساتھ سمجھ چکے تھے کہ جب تک مسلمانوں میں جذبۂ جہاد موجود ہے' انہیں سرنگوں نہیں کیا جا سکتا اور اس طرح ان کی ہستی کو فنا کرنا ممکن نہیں۔ ہندوؤں کے لئے یہ بات اس لئے سوہانِ روح تھی کہ اس نے مسلمانوں سے پہلے ہندوستان میں باہر سے آنے والی ہر قوم کو یوں اپنی تہذیب اور تمدن میں سمو لیا تھا کہ ان کا وجود تک باقی نہ رہا تھا لیکن مسلمان' ایسی سخت ہڈی کا بنا ہوا تھا کہ ہندو کے لئے ان کی ہستی کا مٹانا ممکن نہ ہو سکا۔ اور انگریز کے لئے یہ اس لئے ضروری تھا کہ اس نے ہندوستان کی حکومت مسلمان سے چھینی تھی اور سو سالہ حکمرانی میں جہاں کہیں ان کے اقتدار کو خطرہ پیدا ہوا اور اس کے خلاف تحریک ابھری وہ سب مسلمانوں کی طرف سے اٹھیں اور مسلمانوں کے جذبہ جہاد ہی کا صدقہ تھیں۔

مسلمانوں کے جذبہ جہاد کو ختم کرنے کی اس تحریک کا آغاز مرزا غلام احمد قادیانی کے ہاتھوں کرایا گیا۔

"مرزا غلام احمد قادیانی کے ہاتھوں کرایا گیا" کے الفاظ پر خاص توجہ دیجئے کہ ان کی اپنی زبان میں ان کی تحریک "انگریزوں کا خود کاشتہ پودا" تھی (مرزا صاحب کی درخواست بنام لیفٹیننٹ گورنر بہادر مورخہ 24 فروری 98-18 بحوالہ ختم نبوت اور تحریک احمدیت ایڈیشن 1987 صفحہ 133) اور اس کا مقصد انگریزوں کی حکومت کا استحکام تھا۔ مرزا صاحب نے اس کا اظہار برملا الفاظ میں اس اشتہار میں کیا تھا جو ان کی طرف سے 10 دسمبر 1894 کو شائع کیا گیا تھا اور جس کا عنوان تھا "اشتہار لائق توجہ گورنمنٹ ملکہ معظمہ قیصرہ ہند اور جناب گورنر جنرل اور لیفٹیننٹ گورنر پنجاب اور دیگر معزز حکام۔" اس اشتہار میں کہا گیا تھا کہ:

> "میں نے برابر سولہ برس سے یہ اپنے پر حق واجب ٹھہرا لیا کہ اپنی قوم کو اس گورنمنٹ کی خیر خواہی کی طرف بلاؤں اور ان کو سچی اطاعت کی طرف ترغیب دوں۔ چنانچہ میں نے اس مقصد کے انجام کے لئے اپنی ہر ایک تالیف میں یہ لکھنا شروع کیا کہ اس گورنمنٹ کے ساتھ کسی طرح مسلمانوں کو جہاد درست نہیں۔ (اس تحریک کی پوری تاریخ اور مقاصد اور اثرات کے لئے

دیکھئے کتاب "ختم نبوت اور تحریک احمدیت)
ہم اس سفر کو مختصر کرتے ہوئے اس مقام پر آتے ہیں جہاں ان کوششوں کا ذکر
جن کے نتیجہ میں اس تحریک کو غیر مسلم تحریک قرار دیا گیا۔
نظری مباحثوں سے قطع نظر کرتے ہوئے (کہ سفینہ چاہئے اس بحر بیکراں کیلئے) ہم اس
ابتداء وہاں سے کرتے ہیں جب عملی طور پر یہ مسئلہ پیش آیا کہ جب کوئی شخص مرزائیت یا
قادیانیت اختیار کرتا ہے تو اس کے کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ یہ قصہ "مقدمہ مرزائیہ بہاولپور
" کے نام سے مشہور ہے اور اس کی (مختصرا") تفصیل یوں ہے۔
"1926ء کا ذکر ہے' ریاست بہاولپور کی ایک عدالت میں ایک مقدمہ
دائر ہوا جس میں ایک مسلمان خاتون نے یہ دعوی کیا کہ اس کے خاوند نے
قادیانی مسلک اختیار کر لیا ہے جس کی وجہ سے وہ مرتد ہو گیا ہے۔ اس لئے اس
شخص سے مدعیہ کا نکاح فسخ قرار دیا جائے۔ اس مقدمہ نے ملک گیر شہرت حاصل
کر لی اور مسلمانوں میں ایک ہیجان پیدا ہو گیا' اس لئے نہیں کہ اس میں فریقین
کی حیثیت بڑی ممتاز تھی' وہ تو بالکل غیر معروف سے تھے۔ یہ اس لئے کہ
ہندوستان میں (غالبا") یہ اپنی نوعیت کا پہلا مقدمہ تھا جس میں فیصلہ طلب سوال یہ
تھا کہ ایک شخص قادیانی مسلک اختیار کرنے کے بعد مسلمان رہتا ہے یا نہیں۔ اس
اعتبار سے یہ مقدمہ' فریقین کا مابہ النزاع معاملہ نہ رہا' بلکہ قادیانیوں اور غیر
قادیانیوں کے مابین ایک دینی سوال بن گیا' جس کا عدالتی فیصلہ (ظاہر ہے کہ)
بڑی اہمیت کا حامل تھا۔ یہ مقدمہ قریب نو سال تک زیر سماعت رہا اور آخر
الامر محمد اکبر صاحب' ڈسٹرکٹ جج بہاولنگر نے (جو' اب مرحوم ہو چکے ہیں) 7 /
فروری 1935ء کو اس کا فیصلہ سنا دیا۔ یہ فیصلہ اپنی شہرت اور اہمیت کے پیش
نظر' اس زمانے میں بھی الگ چھپ گیا تھا' اور اسکے بعد بھی چھپتا رہا۔ (ختم نبوت
اور تحریک احمدیت مئی 1987ء صفحہ 4)
حال ہی میں' اسلامک فاؤنڈیشن' 1- ڈیوس روڈ لاہور نے اسے "مقدمہ
مرزائیہ بہاولپور" کے عنوان سے بمن و عن تین جلدوں میں شائع کیا ہے اور
اس کی ضخامت 1856 صفحات پر مشتمل ہے۔ اس فیصلہ میں صفحہ 17 پر لکھا ہے کہ
مدعیہ کی طرف سے چھ گواہان مولوی غلام محمد صاحب شیخ الجامعہ عباسیہ بہاولپور'
مولوی محمد حسین صاحب سکنہ گوجرانوالہ' مولوی محمد شفیع صاحب' مفتی دارالعلوم
دیو بند' مولوی مرتضیٰ حسن صاحب چاند پوری' سید محمد انور شاہ صاحب کشمیری

(شیخ الحدیث دارالعلوم دیو بند)' مولوی نجم الدین صاحب پروفیسر اورینٹل کالج لاہور پیش ہوئے۔ اس سے اس مسئلہ کی اہمیت واضح ہو جاتی ہے۔ فاضل جج نے اپنے فیصلہ میں لکھا کہ اس مسئلہ کا سارا دارومدار اس بات پر تھا کہ نبوت کی حقیقت کیا ہے اور نبی کسے کہتے ہیں۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ:

"موجودہ زمانے میں بہت سے مسلمان نبی کی حقیقت سے بھی آشنا نہیں۔ اس لئے بھی ان کے دلوں میں یہ مسئلہ گھر نہیں کر سکتا کہ مرزا صاحب کو نبی ماننے میں کیا قباحت ہوتی ہے کہ جس پر اس قدر چیخ و پکار کی جا رہی ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ اس کی تھوڑی سی حقیقت بیان کر دی جائے۔" (فیصلہ مذکورہ صفحہ 53)

آگے چل کر فاضل جج نے لکھا ہے کہ مدعیہ اور مختلف علمائے کرام کی طرف سے پیش کردہ نبی کی تعریفیں میرا اطمینان نہ کر سکیں وہ لکھتے ہیں کہ:

"یہ تعریفیں چونکہ اس حقیقت کے اظہار کے لیے کافی نہ تھیں' اس لیے میں اس جستجو میں رہا کہ نبی یا رسول کی کوئی ایسی تعریف مل جائے جو تصریحاتِ قرآن کی رُو سے تمام لوازمِ نبوت پر حاوی ہو۔ اس سلسلہ میں مجھے مولانا محمود علی صاحب پروفیسر رندھیر کالج کی کتاب دین و آئین دیکھنے کا موقعہ ملا۔ انہوں نے معترضین کے خیالات کو مدنظر رکھتے ہوئے نبوت کی حقیت یہ بیان کی کہ جس شخص کے دل میں کوئی نیک تجویز بغیر ظاہری وسائل اور غور کے پیدا ہو۔ ایسا شخص پیغمبر کہلاتا ہے اور اس کے خیالات کو وحی سمجھا جاتا ہے۔ لیکن یہ تعریف بھی مجھے دلچسپ معلوم نہ ہوئی۔ آخر کار ایک رسالہ میں ایک مضمون بعنوان میکانیکی اسلام ازجناب چودھری غلام احمد صاحب پرویز میری نظر سے گزرا۔ اس میں انہوں نے مذہب اسلام کے متعلق آج کل کے روشن ضمیر طبقہ کے خیالات کی ترجمانی کی ہے۔ اور پھر خود ہی اس کے حقائق بیان کئے ہیں۔ اس سلسلہ میں نبوت کی جو حقیقت انہوں نے بیان کی ہے۔ میری رائے میں اس سے بہتر اور کوئی بیان نہیں کی جا سکتی۔ اور میرے خیال میں فریقین میں سے کسی کو اس پر انکار بھی نہیں ہو سکتا۔ اس لیے میں ان کے الفاظ میں ہی اس حقیقت کو بیان کرتا ہوں۔ وہ لکھتے ہیں۔ کہ آج کل کے معقولیت پسندوں کی جماعت کے نزدیک رسول کا تصور یہ ہے کہ وہ ایک سیاسی لیڈر اور ایک مصلح قوم ہوتا ہے جو اپنی قوم کی نکبت اور زبوں حالی سے متأثر ہو کر انہیں فلاح و بہبود کی طرف بلاتا ہے

اور تھوڑے ہی دنوں میں ان کے اندر انضباط و ایثار کی رُوح پھونک کر زمین کے بہترین خطوں کا ان کو مالک بنا دیتا ہے۔ اس کی حقیقت قوم کے ایک امیر کے قسم کی ہوتی ہے جن کے ہر حکم کا اتباع اس لیے لازمی ہوتا ہے کہ اس سے انحراف سے قوم کی اجتماعی قوت میں انتشار پیدا ہو جانے کا خطرہ ہوتا ہے اور وہ دنیاوی نعمتیں جو اس کے حسن تدبیر سے حاصل ہوئی تھیں' ان کے چھن جانے کا احتمال ہوتا ہے۔ اس کا حسن تدبر۔ عقل۔ حکمت' ذہن انسان کے ارتقاء کی بہترین کڑی ہوتا ہے۔ اس لیے وہ اپنے ماحول کا بہترین مفکر شمار کیا جاتا ہے۔ کثرتِ ریاضت سے برائی کی قوتیں اس سے سلب ہو جاتی ہیں۔ اور نیکی کی قوتیں نمایاں طور پر اُبھر آتی ہیں انہی قوتوں کا نام ان کے نزدیک ابلیس اور ملائکہ ہے۔ اس کا جواب پھر انہوں نے بحوالہ آیات قرآنی یہ دیا کہ رسول بلاشبہ مصلح اور مدبرِ ملّت ہوتا ہے۔ لیکن اس کی حقیقت دنیاوی مصلحین اور مدبّرین سے بالکل جداگانہ ہوتی ہے۔ دنیاوی مفکّرین و مدبّرین اپنے ماحول کی پیداوار ہوتے ہیں۔ اور ان کا فلسفہ اصلاح و بہبود ان کی اپنی پروازِ فکر کا نتیجہ ہوتا ہے۔ جو کبھی صحیح اور کبھی غلط ہوتا ہے۔ برعکس اس کے انبیاء کرامؑ مامور من اللہ ہوتے ہیں اور ان کا سلسلہ اس دنیا میں خاص مشیتِ باری تعالیٰ کے ماتحت چلتا ہے۔ وہ نہ اپنے ماحول سے متأثر اور نہ احوال و ظروف کی پیداوار ہوتے ہیں۔ بلکہ ان کا انتخاب مملکتِ ایزدی سے ہوتا ہے اور ان کا سرچشمۂ علوم و ہدایت' علمِ باری تعالیٰ سے ہوتا ہے جس میں کسی سہو و خطا کی گنجائش نہیں ہوتی۔ ان کا سینہ علم لدنّی سے معمور اور ان کا قلب تجلیاتِ نورانی سے منور ہوتا ہے۔ دنیاوی سیاست و تفکّر صفت ہے جو اکتساباً" حاصل ہوتی ہے اور مشق و مہارت سے یہ ملکہ بڑھتا ہے۔ لیکن نبوت ایک موہبتِ ربانی اور عطائے یزدانی ہے جس میں کسب و مشق کو کچھ دخل نہیں۔ قوم و اُمّت کی ترقی اِن کے بھی پیشِ نظر ہوتی ہے لیکن سب سے مقدم اخلاقِ انسانی کی اصلاح مقصود ہوتی ہے۔ اس کا پیغام زمان و مکان کی قیود سے بالا ہوتا ہے اور وہ تمام انسانوں کو راستہ دکھلانے والا اور ان کا مطاع ہوتا ہے۔ اس کی اطاعت میں خدا کی اطاعت اور اس کی معصیت خدا کی معصیت ہوتی ہے۔ اور جو لائحہ حیات اس کی وساطت سے دنیا کو ملتا ہے اس میں کوئی دنیاوی طاقت ردّوبدل نہیں کر سکتی بلکہ دنیا بھر کی عقول میں جہاں کہیں اختلاف ہو اس کا فیصلہ بھی اسی کی مشعلِ ہدایت سے ہو سکتا ہے۔ ان کو خدائی

پیغام **ملائکہ** کی وساطت سے ملتے ہیں جو اگرچہ عالم امر سے متعلق ہونے کی وجہ سے سرحدِ ادراکِ انسانی سے بالاتر ہیں لیکن ان کا وجود محض انسان کی ملکوتی قوتیں نہیں ہیں۔

پرویزؒ صاحب کا یہ اقتباس دینے کے بعد فاضل جج نے لکھا ہے :

اس حقیقت کو ذہن نشین رکھنے کے بعد یہ بات آسانی سے سمجھ میں آسکتی ہے کہ رسول اللہ صلعم کے بعد کسی دوسرے نبی کو تسلیم کرنے سے کیا قباحت لازم آئے گی۔ تصریحاتِ قرآنی کی رو سے نیا نبی مطاع ہو جائے گا۔ اس سے اختلاف نہیں کیا جا سکے گا۔ اس کی ہر بات کے آگے سرِتسلیم خم کرنا پڑے گا۔ وہ جو حکم دے گا اس کی تعمیل لازمی ہوگی ورنہ اعمال کے خبط ہونے کا اندیشہ ہو گا۔ اس کی شان میں ذرا بھر گستاخی نہیں کی جا سکے گی بلکہ اس کے سامنے اُونچا بولنا بھی گناہ ہو گا۔ اس کی اطاعت عین خدا کی اطاعت ہو گی۔ اور اس سے رُوگردانی ایمان سے خارج ہونے کا باعث اور موجبِ عذاب الٰہی ہو گی۔

اس کے بعد فاضل جج لکھتے ہیں کہ

قرآنِ حکیم میں حیاتِ انسانی کی پوری انتہا واضح نہیں فرمائی گئی اور جیسا کہ چودھری غلام احمد صاحب پرویز مضمون محولہ بالا میں لکھتے ہیں جنت بھی جو بالعموم منزل مقصود سمجھی جاتی ہے درحقیقت اصل منزل مقصود نہیں بلکہ راستہ کا ایک خوشنما منظر ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں جنتیوں کی اس دعا سے ظاہر ہوتا ہے' **یقولون ربنا اتمم لنا نورنا**۔ اس منتہیٰ کو ایک راز رکھا گیا ہے۔ نہ معلوم کہ حضور کے فیض سے اُمّت کو کیا کچھ عطا فرمایا جائے۔"

کتاب مذکور کے اس اقتباس سے یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ اس مشہورِ زمانہ مقدمہ کا فیصلہ پرویزؒ صاحب کی ایک ایسی تحریر کی بناء پر عمل میں آیا جس کا موضوعِ زیر بحث سے براہِ راست تعلق بھی نہ تھا۔

اور یہ پرویزؒ صاحب کی ایک ایسی بے مثال کاوش ہے جس کے صدقے وہ بارگاہِ رسالتمآب میں سرخرُو ہو کر حاضر ہوں گے اور جو اُن کا توشۂ آخرت ہو گا اور یقیناً" حضورِ اکرمؐ' پرویز صاحب کو شاباش کہیں گے کہ اے غلامِ احمدؐ تم نے جس بلاغت اور فصاحت سے میرے مقامِ نبوت کو دنیا کے سامنے پیش کیا' مجھے اس پر فخر ہے!

اور یاد رکھئے ! اس مقدمہ کے فیصلہ میں مذکور ان تمام مولوی صاحبان کے حصہ میں یہ سعادت نہ آسکی جو اس مقدمہ میں حضورؐ کے گواہ بن کر پیش ہوئے تھے۔ یہ سعادت ملی تو بقول

جناب محمد اکبر ڈسٹرکٹ جج بہاولنگر' پرویزؒ صاحب کو' جج صاحب نے اپنے فیصلہ میں لکھا کہ

"اس سلسلہ میں نبوت کی جو حقیقت انہوں نے (پرویز صاحب نے) بیان کی ہے' میری رائے میں اس سے بہتر اور کوئی بیان نہیں کی جا سکتی اور میرے خیال میں فریقین میں سے کسی کو اس پر انکار نہیں ہو سکتا۔"

اور اس بنا پر فیصلہ صادر کرتا ہے کہ:

"مدعیہ کی طرف سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ مرزا صاحب کاذب مدعیٔ نبوت ہیں۔ اس لیئے مدعا علیہ بھی مرزا صاحب کو نبی تسلیم کرنے سے مرتد قرار دیا جائے گا۔ لہٰذا ابتدائی تنقیحات جو 4 نومبر 1926ء عیسوی کو عدالتِ منصفی احمد پور شرقیہ سے وضع کی گئی تھیں۔ بحق مدعیہ ثابت قرار دے جا کر یہ قرار دیا جاتا ہے کہ مدعا علیہ قادیانی عقائد اختیار کرنے کی وجہ سے مرتد ہو چکا ہے۔ لہٰذا اس کے ساتھ مدعیہ کا نکاح تاریخ ارتدادِ مدعا علیہ سے فسخ ہو چکا ہے اور اگر مدعا علیہ کے عقائد کو بحث مذکورہ بالا کی روشنی میں دیکھا جاوے تو بھی مدعا علیہ کے ادعا کے مطابق مدعیہ یہ ثابت کرنے میں کامیاب رہی ہے کہ رسول اللہؐ کے بعد کوئی اُمتی نبی نہیں ہو سکتا۔ اور کہ اس کے علاوہ جو دیگر عقائد مدعا علیہ نے اپنی طرف سے منسوب کئے ہیں۔ وہ گو عام اسلامی عقائد کے مطابق ہیں۔ لیکن ان عقائد پر وہ انہی معنوں میں عمل پیرا سمجھا جاوے گا۔ جو معنے مرزا صاحب نے بیان کئے ہیں۔ اور یہ معنی چونکہ ان معنوں کے مغائر ہیں' جو جمہور اُمت آج تک لیتی آئی ہے' اس لیے بھی وہ مسلمان نہیں سمجھا جا سکتا ہے اور ہر دو صورتوں میں وہ مرتد ہی ہے اور مرتد کا نکاح چونکہ ارتداد سے فسخ ہو جاتا ہے' لہٰذا ڈگری بدیں مضمون بحق مدعیہ صادر کی جاتی ہے۔ کہ وہ تاریخ ارتداد مدعا علیہ سے اس کی زوجہ نہیں رہی۔ مدعیہ خرچہ مقدمہ بھی ازاں مدعا علیہ لینے کی حقدار ہو گی۔"

اور اب

اس کے بعد اللہ تبارک تعالیٰ کا وہ ارشاد پھر سامنے لائے جو شروع میں درج کیا گیا ہے یعنی

من شرالوسواس الخناس الذی یوسوس فی صدور الناس من الجنه والناس

جنات کی بات تو چھوڑیئے (کہ یہ ایک الگ موضوع ہے)' انسانوں کی طرف آئے اور انسان بھی وہ' جو اپنے آپ کو حاملِ دینِ متین اور متبعینِ شرعِ مبین کہنے کے داعی ہیں۔

ان کا کہنا ہے کہ پرویزیت (جسے عرف عام میں پرویز صاحب کے افکار سے منسوب کیا جاتا ہے اور درحقیقت جس کا کوئی وجود نہیں۔ ہمارے زمانے میں سید ابوالاعلیٰ مودودی' پروفیسر ڈاکٹر طاہرالقادری' ڈاکٹر اسرار احمد' مولانا امین احسن اصلاحی کا شمار ان لوگوں میں ہوتا ہے جو

ترجمانِ دین اسلام اور شارحینِ قرآن کریم سمجھے جاتے ہیں۔ یہ الگ بحث ہے کہ وہ اسلام کا کونسا نقشہ پیش کرتے ہیں لیکن ان کی تعلیمات کو کوئی بھی مودودویت' طاہر القادریت' اسراریت یا اصلاحیت سے تعبیر نہیں کرتا۔ یہ احسان صرف پرویزؒ صاحب پر ہی ہے' اس کی وجہ ہم بعد میں عرض کریں گے)۔ بہرحال ہم کہہ یہ رہے تھے کہ آج کے حاملینِ دینِ متین اور داعیانِ شرعِ مبین پرویزیت اور مرزائیت کو ہم قوس کرتے ہیں اور بغیر کسی جھجک' شرم اور احساسِ محاسبۂ باری تعالیٰ اسکا اعلان کرتے ہیں کہ پرویزیت بھی درحقیقت مرزائیت ہی کی ایک شاخ ہے۔

آیئے ہم آپ کو ان کے اپنے الفاظ میں مرزا غلام احمد اور ان کی مرزائیت سے متعلق' پرویز صاحب کے واضح اور دو ٹوک بیان سے روشناس کرائیں اور پھر آپ سے یہ فیصلہ طلب کریں کہ اللہ کو حاضر و ناظر جان کر کہئے کہ کیا پرویزؒ صاحب انہی کے قبیل میں سے ایک تھے یا مرزائیت کے خلاف شمشیر برہنہ تھے۔ ذرا چشمِ بصیرت افروز کو کام میں لائے اور مندرجہ ذیل سطور ملاحظہ فرمایئے۔ وہ اپنی کتاب ختم نبوت اور تحریک احمدیت کو ان الفاظ پر ختم کرتے ہیں کہ:

مقامِ نبوت

ختم نبوت سے متعلق جملہ مباحث کے بعد' وہ تصور سامنے آتا ہے جس سے ایک حساس مسلمان کی کیفیت یہ ہو جاتی ہے کہ

ناطقہ سربگریباں کہ اسے کیا کہئے

ہم نبوت کی حقیقت اور ماہیت کو تو نہیں جان سکتے لیکن قرآنِ کریم نے مقامِ نبوت کا جو تصور پیش کیا ہے' وہ اس قدر عظیم اور بلند ہے کہ ساری کائنات اس کے سامنے جھکی ہوئی نظر آتی ہے۔ میں نے اس سلسلہ میں' اپنی کتاب "معراج انسانیت" کے آخری باب میں لکھا ہے:-

نبوت کا مقام اس قدر عظیم المرتبت ہے کہ اس کے تصور سے روح میں بالیدگی' نگاہوں میں بصیرت' ذہن میں جلا' قلب میں روشنی' خون میں حرارت' بازوؤں میں قوت' ماحول میں درخشندگی' فضا میں تابندگی اور کائنات کے ذرّہ ذرّہ میں زندگی کے آثار نمودار ہو جاتے ہیں۔ نبی کا پیغامِ انقلاب آفریں' دین و دنیا کی سرفرازیوں اور سربلندیوں کا امین ہوتا ہے۔ وہ مُردوں کی بستی میں صورِ اسرافیل پھونک دیتا ہے۔ اس سے قوم کے عروقِ مفلوج میں پھر سے خونِ حیات رقص کرنے لگ جاتا ہے۔ وہ اپنی ملت کو زمین کی پستیوں سے اُٹھا کر

آسمان کی بلندیوں تک پہنچا دیتا ہے۔ وہ اپنی ہوش ربا تعلیم اور محیر العقول عمل سے باطل کے تمام نظامہائے کہنہ کی بنیادیں اکھیڑ کر آئینِ کائنات کو ضابطۂ خداوندی پر **متشکل** کر دیتا ہے۔ اس سے زندگی ایک نئی کروٹ لیتی ہے' آرزوئیں آنکھیں ملتی ہوئی اُٹھتی ہیں۔ ولولے جاگ پڑتے ہیں۔ ایمان کی حرارتیں' دلوں میں سوز اور جگر میں گداز پیدا کرتی ہیں۔ روح کی مسرتوں کے چشمے اُبلتے ہیں۔ قلب و جگر سے نورانیت کی سوتیں پھوٹتی ہیں۔ تازہ امیدوں کی کلیاں مہکتی ہیں۔ زندہ مقاصد کے غنچے چٹکتے ہیں اور اس خوش بخت قوم کا صحنِ چمن' دامانِ صد باغبان وکفِ ہزار گلفروش کا فردوسی منظر پیش کرتا ہے۔ حکومتِ الٰہیہ کا قیام اس کا نصب العین اور قوانینِ خداوندی کا نفاذ اس کا منتہیٰ ہوتا ہے۔ جب اس کے ہاتھوں خدا کی بادشاہت کا تختِ اجلال بچھتا ہے تو باطل کی ہر طاغوتی قوت پہاڑوں کے غاروں میں منہ چھپاتی پھرتی ہے۔ جور واستبداد کے قصرِ فلک بوس کے کنگورے سجدہ ریز ہو جاتے ہیں۔ طغیان و سرکشی کے آتشکدے ٹھنڈے پڑ جاتے ہیں۔ وہ اپنے ساتھیوں کی قدّوسی جماعت کے ساتھ اعلائے کلمۃ الحق کے لئے باہر نکلتا ہے تو فتح و ظفر اس کی رکاب چومتی ہے۔ شوکت و حشمت اس کے جلو میں چلتی ہے۔ سرکش اور خود پرست قوتیں اس کے خدائے واحد القہار کا کلمہ پڑھتی ہیں اور خدا اور اس کے فرشتے اِن انقلاب آفریں ملکوتی کارناموں پر تحسین و تبریک کے پھولوں کی بارش کرتے ہیں۔ **ان اللہ و ملئکۃ یصلون علی النبی۔**

یہ تھا مقامِ نبوت جسے شمع قرآنی سے اکتساب ضیا کے بعد میں نے ان الفاظ میں پیش کیا تھا۔ اس کے بعد' ہمارے سامنے ایک مدعیٔ نبوت آتا ہے جس کی ساری عمر انگریزوں جیسی ابلیسی سیاست کی حامل قوم کی غلامی کی تلقین و تاکید میں گزر جاتی ہے۔ وہ لیفٹیننٹ گورنر بہادر کو درخواستوں پر درخواستیں گزارتا ہے کہ میں نے آپ کی اس قدر خدمت کی ہے' آپ اس کے صلہ میں میری حفاظت بھی کریں اور خصوصی مراعات سے بھی نوازیں! سوچئے عزیزان من کہ اس سے نبوت کو کس مقام پر لے آیا گیا ہے؟ یہی وہ احساس تھا جس سے تڑپ کر اقبالؒ نے کہا تھا:

فتنۂ ملّتِ بیضا ہے امامت اس کی
جو مسلماں کو سلاطیں کا پرستار کرے

مقامِ نبوت کے تعارف کے بعد' میں نے اپنی مذکورہ کتاب میں لکھا تھا:۔

مقامِ نبوت تو ایک طرف' شمعِ نبویؐ سے اکتساب ضیا کرنے والے مردِ مومن

کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ اس کی نگاہوں سے قوموں کی تقدیریں بدل جاتی ہیں۔ ایک اللہ کے سوا کسی کا خوف اس کے دل تک نہیں پہنچ سکتا۔ دنیا کی بڑی بڑی طاقتیں اس کی شمشیرِ جگردار کے سامنے لرزہ براندام ہوتی ہیں۔ اس کی قوتِ بازو حکومتِ خداوندی کے تمکّن و بقا کی ضامن ہوتی ہے۔ وہ قوانینِ خداوندی کا عملاً نفاذ کرتا ہے۔ یہ وہ "مجدّد" ہوتا ہے جس کی قوتِ ایمانی اور بصیرتِ فرقانی سے محمدؐ رسول اللہ والذینؓ معہ کے عہدِ سعادت مہد کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ یہ وہ "مسیحا" ہوتا ہے جس کے اعجازِ نفس سے مردہ قوم میں از سرِ نو زندگی کی لہر دوڑ جاتی ہے۔ یہ وہ "مہدی" ہوتا ہے جو خود اللہ کے صراطِ مستقیم پر گامزن ہو کر ساری دنیا کیلئے ہدایت و رشادت کا نمونہ بن جاتا ہے۔ یہی وہ مرکز ہوتا ہے جس کے گرد ایسی جماعت کا دائرہ کھینچ جاتا ہے جس کے متعلق فرمایا کہ۔

يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ أَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ أَعِزَّةٍ عَلَى الْكَافِرِينَ يُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمٍ ..... (5/54) "اللہ ان سے محبت کرتا ہے اور وہ اللہ سے۔ وہ مومنوں کے سامنے جھکے ہوئے اور مخالفین کے مقابل میں غالب ہوتے ہیں۔ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈرنے والے۔

اس کے برعکس دیکھئے کہ آپ کو اس عہد کی مجددیت، مہدویت، مسیحیت اور نبوت سے۔

محکومی و مسکینی و نومیدیٔ جاوید

کے سوا اور کیا ملا؟ یہ آنے والا آیا۔ آ کر چلا گیا اور قوم کی حالت یہ کہ

وہی نالۂ سحری رہا، وہی آہِ نیم شبی رہی

کچھ ملنا تو ایک طرف اس کی خاکسترِ پارینہ میں کہیں کوئی دبی ہوئی چنگاری تھی تو وہ بھی اس کے تنفسِ مرگ آور کی "برکت" سے بجھ بجھا گئی۔ یہ فرق ہے ایک زندہ قوم کے ابناء اور مردوں کی بستی کی لاشوں میں۔

ہو بندۂ آزاد اگر صاحبِ الہام
ہے اس کی نگہ فکر و عمل کیلئے مہمیز
اس کے نفسِ گرم کی تاثیر ہے ایسی
ہو جاتی ہے خاکِ چمنستاں شرر آمیز

شاہیں کی ادا ہوتی ہے بلبل میں نمودار
کس درجہ بدل جاتے ہیں مرغانِ سحر خیز
اس مردِ خود آگاہ و خدامست کی صحبت دیتی ہے گداؤں کو شکوہ جم و پرویز
محکوم کے الہام سے اللہ بچائے
غارت گرِ اقوام ہے وہ صورتِ چنگیز

قوم کے دل میں جرأت و بسالت کے حوصلے بلند کرنا تو ایک طرف خود اس کی اپنی حالت یہ تھی کہ جب مرزا صاحب نے اپنے مخالفین کے متعلق ہلاکت آمیز پیش گوئیاں شائع کرنا شروع کر دیں تو مخالفین نے ان کے خلاف ضابطۂ فوجداری دفعہ 107 کے تحت ڈپٹی کمشنر گورداسپور کی عدالت میں مقدمہ دائر کر دیا۔ اس مقدمہ میں انہوں نے ایک اقرار نامہ داخل کر کے معافی مانگ لی۔ اقرار نامہ کے الفاظ یہ تھے۔

میں' مرزا غلام احمد قادیانی بحضور خداوندی تعالےٰ باقرار صالح اقرار کرتا ہوں کہ آئندہ :-

1- میں ایسی پیش گوئی شائع کرنے سے پرہیز کروں گا جس کے یہ معنی ہوں یا ایسے معنی خیال کئے جا سکیں کہ کسی شخص کو (یعنی مسلمان ہو خواہ ہندو ہو یا عیسائی وغیرہ) ذلت پہنچے گی یا وہ موردِ عتابِ الٰہی ہو گا۔

2- میں خدا کے پاس ایسی اپیل (فریاد و درخواست) کرنے سے بھی اجتناب کروں گا کہ وہ کسی شخص کو (یعنی مسلمان ہو یا ہندو یا عیسائی وغیرہ) ذلیل کرنے سے یا ایسے نشان ظاہر کرنے سے کہ وہ موردِ عتابِ الٰہی ہے' یہ ظاہر کرے کہ مذہبی مباحثہ میں کون سچا اور کون جھوٹا ہے۔

3- میں کسی چیز کو الہام بتا کر شائع کرنے سے مجتنب رہونگا جس کا یہ منشاء ہو یا جو ایسا منشاء رکھنے کی معقول وجہ رکھتا ہو کہ فلاں شخص (یعنی مسلمان ہو خواہ ہندو یا عیسائی وغیرہ) ذلت اُٹھائے گا یا موردِ عتابِ الٰہی ہو گا.....

4- جہاں تک میرے احاطۂ طاقت میں ہے' میں تمام اشخاص کو جن پر کچھ میرا اثر یا اختیار ہے' ترغیب دوں گا کہ وہ بھی بجائے خود اس طریق پر عمل کریں جس طریق پر کاربند ہونے کا میں نے دفعہ نمبر 1 تا نمبر 5 میں اقرار کیا ہے۔

العبد گواہ

مرزا غلام احمد بقلم خود خواجہ کمال الدین بی۔اے۔ایل۔ایل۔بی

دستخط - جے۔ ایم۔ ڈوئی۔ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ۔ 24 فروری 1899ء

سو اگر مسٹر ڈوئی صاحب (ڈسٹرکٹ ضلع گورداسپور) کے رُوبرو میں نے اس بات کا اقرار کیا ہے کہ میں ان کو (مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کو) کافر نہیں کہوں گا تو واقعی میرا یہی مذہب ہے کہ میں کسی مسلمان کو کافر نہیں جانتا۔ (تریاق القلوب صفحہ 130 مصنفہ مرزا غلام احمد قادیانی صاحب)

عدالت سے یوں چھٹکارا حاصل کرا لیا اور اس کے بعد ساری عمر مسلمانوں کو کافر قرار دیتے رہے! ہم سمجھتے ہیں کہ اس کے بعد اس موضوع پر کچھ اور لکھنے کی ضرورت نہیں۔

نگہ بازگشت

اس طویل سفر میں ہم نے جو راستہ طے کیا ہے' بہتر ہے کہ اس پر ایک نگہِ بازگشت ڈال لی جائے۔ سب سے پہلے یہ سمجھ لیجئے کہ حضور نبی اکرمؐ کے بعد' نبوت کے امکان کا تصور بھی انسان کو امتِ محمدیہؐ کے دائرہ سے خارج کر دیتا ہے۔ دوسرے یہ کہ نبوت کی مختلف قسمیں نہیں ہوتیں۔ نبوت کی ایک ہی قسم ہے اور وہی اصلی اور حقیقی نبوت ہوتی ہے' جو خدا کی طرف سے وہبی طور پر ملتی تھی۔ نبوت کے معنی ہیں خدا کی طرف سے براہ راست علم حاصل ہونا۔ اس علم کو وحی یا اس نبی کی کتاب کہا جاتا تھا۔ یہ وحی اپنی آخری مکمل اور غیر متبدل شکل میں قرآن کی دفتین میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے محفوظ کر دی گئی۔ لہٰذا نبوت کا خاتمہ ہو گیا۔ اب اگر کوئی شخص قرآنِ کریم کے کسی حکم کو منسوخ کرنے کا دعویٰ کرتا ہے تو وہ مدعیٔ نبوت ہے۔ لہٰذا جھوٹا اور خدا کے خلاف افترا کرنے والا۔ ظلّی' بروزی' تدریجی' اتباعی نبوت کا تصوّر بھی خلافِ قرآن ہے۔ اور مسیح موعود' مجدّد اور مہدی کا ذکر تک بھی قرآن میں نہیں۔ ختمِ نبوت کے بعد' رسالتِ محمدیہ کا عملی نفاذ قرآنی نظامِ حکومت کی شکل میں ہو گا۔ اسی نظام کی وارث اُمّتِ محمدیہؐ خیر الامم ہے۔ جب تک وہ نظام قائم رہا' امت میں کوئی مدعیٔ نبوت پیدا نہ ہوا۔ اب اس قسم کے مدعی اس لئے اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں کہ اُمّت میں وہ نظام باقی نہیں رہا۔ ان مدّعیوں کے دعاوی کے ابطال کی عملی صورت یہی ہے کہ دنیا میں پھر سے دین کا نظام قائم کر دیا جائے۔ "آنے والے" کا انتظار مایوسی کا پیدا کردہ ہوتا ہے۔ جب نظامِ خداوندی کے قیام سے مایوسی ختم ہو جائے گی' تو پھر اُمّت کو کسی نئے ظہور کی طلب و جستجو نہیں رہے گی۔ اُس وقت ایران کے باب اور بہاء اللہ کی سمجھ میں بھی یہ بات آ جائے گی۔

کہ قرآن ریلوے ٹائم ٹیبل کی طرح منسوخ العمل نہیں ہو گیا' بلکہ وہ انسانی زندگی کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے ابدی اصولِ حیات اپنے اندر رکھتا ہے' اور اُس وقت قادیانی نبوّت یا مجدّدیت پر بھی یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ رسالتِ محمدیہؐ اِس طرح ابدیت درکنار ہے کہ نہ اس کا دَور کبھی ختم ہو سکتا ہے اور نہ ہی مردِ زمانہ سے وہ ایسی بوسیدہ ہو جاتی ہے کہ اسے تجدید کی ضرورت لاحق ہو۔ اُس وقت دنیا دیکھ لے گی کہ یہ رسالت اُس شجرِ طیب کی طرح بہار خزاں ناآشنا کی مظہر ہے جس کے متعلق کہا گیا ہے کہ اُكُلُهَا دَآئِمٌ وَّظِلُّهَا (13/35) جس کے سائے بھی ہمیشہ گھنے اور ٹھنڈے رہتے ہیں اور جس کی شاخیں بھی ہر موسم میں پھلوں سے جھکی ہوئی۔ جھوٹے مدّعی' قوموں کی زبوں حالی کی خاک سے پیدا ہوتے اور مایوسی کی فضاء میں پروان چڑھتے ہیں۔ زندہ قومیں اپنے دعاوی کی صداقت کی آپ دلیل ہوتی ہیں۔ اور رسالتِ محمدیہؐ میں' جو قرآن ہی کا دوسرا نام ہے' قیامت تک یہ قوت موجود ہے کہ وہ ہر اس قوم کو زندگی عطا کر دے جو زندہ رہنے کی متمنی ہو۔ قرآن کا پیغام' اپنی حقیقت سے ناآشنا مسلمان کو پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ ؎

وائے نادانی کہ تُو محتاجِ ساقی ہو گیا
مے بھی تو' مینا بھی تو' ساقی بھی تو' محفل بھی تو
بے خبر تو جوہرِ آئینۂ ایّام ہے
تو زمانے میں خدا کا آخری پیغام ہے

لیکن یہ (مسلمان) "زمانے میں خدا کا آخری پیغام" اُسی صورت میں ہو سکتا ہے جب اس کا ایمان ہو کہ خدا سے براہ راست علم حاصل ہونے کا امکان' حضورؐ ختم المرسلین کی ذاتِ اقدس پر ختم ہو گیا۔ اور قرآنِ کریم قیامت تک تمام نوعِ انسان کے لئے غیر متبدل اور مکمل ضابطۂ حیات ہے۔ اس کا ایک حرف بھی منسوخ نہیں ہو سکتا۔ اسی کو ختم نبوت کہتے ہیں۔"

(ختم نبوت اور تحریک احمدیت از علامہ غلام احمد پرویز ایڈیشن 1987ء 186-191)

آخر میں مختصراً" ہم آپ کو ان اسباب سے بھی آگاہ کرنا ضروری سمجھتے ہیں جن کی بناء پر یہ حضرات' جانتے بوجھتے ہوئے' اللہ تعالیٰ اور محاسبۂ آخرت کے کسی بھی اندیشہ سے بے نیاز' پرویزؒ صاحب کے خلاف ایسی کذب بیانی کرتے ہیں۔ ملاحظہ فرمایئے اور یہ کانٹا ہمیشہ کیلئے اپنے دل سے نکال دیجئے۔

جیسا کہ شروع میں عرض کیا گیا ہے' (بقول علامہ اقبالؒ) عجمی سازشوں نے رسولؐ عربی کے لائے ہوئے اسلام کو جب اُس مجوسی اسلام میں بدل دیا جو ہمارے ہاں صدیوں سے رائج ہے' تو

ملت اسلامیہ کے ان درد مند اصحاب نے جو اس حقیقت کو سمجھ چکے تھے' ہندوستان میں اسلام کی نشاۃِ ثانیہ کی کوششیں شروع کیں۔ اس ضمن میں اسلام کے بطلِ جلیل سر سید احمد خان کا اسم گرامی درخشندہ ستارے کی طرح سرعنوان نظر آتا ہے اور جنہیں قوم نے بجا طور پر "پاکستان کے معمارِ اوّل" کے لائق صد تحسین و فخر لقب سے پکارا ہے۔ انہوں نے اپنے عمر بھر کے تدبّر کے بعد یہ فیصلہ صادر فرمایا کہ

"مجھے یقین ہو گیا ہے کہ یہ دونوں قومیں (مسلمان اور ہندو) اب کسی کام میں بھی دل سے شریک نہ ہو سکیں گی۔ ابھی تو کچھ بھی نہیں ہوا' جوں جوں وقت گزرتا جائے گا' یہ مخالفت اور عناد ان ہندوؤں کے سبب بڑھے گا' جو تعلیم یافتہ کہلاتے ہیں۔ جو زندہ رہے گا وہ دیکھے گا۔" (سرسید احمد خان کا خط بنام کمشنر بنارس مسٹر کیمپبیل مرقومہ 1867ء بحوالہ پاکستان کا معمار اوّل از جناب صفدر سلیمی مطبوعہ اگست 1567 - صفحہ 101)

انہوں نے قوم کو جدید تعلیم کے زیور سے آراستہ کر کے' اقوام عالم کی صف میں لا کھڑا کرنے کے لئے جب مدرسہ علیگڑھ کی بنیاد رکھی (جو بعد میں مسلم یونیورسٹی علیگڑھ کے نام سے آگے چلا اور جس کے فارغ التحصیل طلبا' آکسفورڈ اور دیگر مغربی یونیورسٹیوں کے طلبا کی طرح اپنی تعلیمی ڈگری کے ساتھ "علیگ" کا لاحقہ استعمال کرنے کے مجاز ہوتے تھے یعنی وہ لکھ سکتے تھے کہ M.A (ALIG) B.A.(ALIG) وغیرہ) تو یہ الفاظ ان کے لبوں پر تھے۔

"اے خدا! ہم میں روز بروز علم کی کمی اور جہالت کی تاریکی کی ترقی ہوتی جا رہی ہے۔ تو نے ہمارے دلوں کو پھیرا کہ علم کی روشنی پھیلانے کیلئے مستعد ہوئے۔ بیشک سب کے دل تیری انگلیوں میں ہیں۔ تو جس طرح چاہتا ہے' انہیں پھیر دیتا ہے۔ ہم سب تیرا شکر ادا کرتے ہیں کہ تو نے ہمارے دلوں کو ایسے کاموں کی طرف پھیرا جو نہ صرف ہمارے لئے مفید ہے' بلکہ ہمارے بعد جو بہت سی نسلیں آنے والی ہیں' ان کیلئے بھی ایک روشنی ہے .....

اے خدا! تو خوب جانتا ہے کہ یہ مدرسہ جس کا پتھر آج ہم نے تیرے نام پر رکھا ہے' تیری مخلوق کے فائدے کے لئے رکھا ہے۔ تو اپنے فضل سے اسے اپنے نام پر قبول فرما اور جیسا کہ تو نے خوبی سے اس کا آغاز کیا ہے' اسی طرح بخیر اس کا انجام کر۔ **ربنا تقبل منا انکَ انت السمیع العلیم** (حیات جاوید' بحوالہ "پاکستان کا معمار اول صفحہ 98)

اور وہ اس مدرسے میں کس قسم کی تعلیم نوجوانان قوم کو دینے کا عزم رکھتے تھے' ملاحظہ فرمایئے

میں جب رات کو آسمان کی طرف دیکھتا ہوں تو اس کے اس حصے کی جو نیلا نیلا' سیاہ اور ڈراؤنا دکھائی دیتا ہے کچھ بھی پرواہ نہیں کرتا۔ بلکہ ان ستاروں کو دیکھنا چاہتا ہوں جو اس میں چمکتے ہوئے معشوقانہ انداز کی کشش سے ہمیں اپنی طرف کھینچتے ہیں۔"

اور پھر وہ اپنے ساتھیوں سے یہ سوال کرتے ہیں کہ

"کیا تم اپنی قوم میں اس قسم کے لوگ پیدا کئے بغیر' جو ستاروں کی طرح چمکتے ہیں' اپنی قوم کو معزز اور دوسروں کی نگاہ میں باعزت بنا سکتے ہو؟" (معمار اوّل صفحہ 41-42)

اور جب ہمارے انہی حاملینِ دینِ متین اور داعیانِ شرعِ مبین نے اس کا راستہ' یہ کہہ کر روکنے کی کوشش کی کہ یہ شخص متبدع' گمراہ اور قابلِ گردن زدنی ہے تو اس نے لاہور میں' تقریر کرتے ہوئے کہا کہ:

"اے بزرگانِ پنجاب! میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ اگر ایک کافر و مرتد آپ کی قوم کی بھلائی کی کوشش کرے تو آپ اسے اپنا خادم اور خیر خواہ نہیں سمجھیں گے؟ آپ کیلئے دولت سرا بنانے میں' جس میں آپ آرام کرتے ہیں اور آپ کے بچے پرورش پاتے ہیں' یا آپ کیلئے مسجد بنانے میں' جس میں آپ خدائے ذوالجلال کا نام پکارتے ہیں' چمار' قلی' کافر' بت پرست' بدعقیدہ' سب مزدوری کرتے ہیں۔ مگر آپ نہ کبھی اس دولت خانہ کے دشمن ہوتے ہیں اور نہ مسجد کے منہدم کرنے پر آمادہ ہوتے ہیں۔ آپ مجھے بھی اس مدرسہ کے قائم کرنے میں ایک قلی اور چمار کی مانند تصور کر لیجئے اور میری محنت اور مشقت سے اپنے لئے گھر بنے دیجئے۔" (حیات جاوید بحوالہ پاکستان کا معمار اوّل صفحہ 21)

اور آپ جانتے ہیں' ان حاملینِ دینِ متین نے انہیں کن القابات سے نوازا تھا' یہ بھی سن لیجئے:

"یہ شخص ضال اور مضل ہے بلکہ ابلیسِ لعین کا خلیفہ ہے کہ مسلمانوں کے اغواء کا ارادہ رکھتا ہے اور اس کا فتنہ یہود و نصاریٰ کے فتنہ سے بڑھ کر ہے۔ واجب ہے اولی الامر پر اس سے انتقام لینا۔" (پاکستان کا معمار اول صفحہ 82)

اور مدینہ منورہ کے مفتیٔ احناف' شیخ محمد امین بابی نے مذکورہ استفتاء پر جو جواب تحریر فرمایا' وہ بھی سن لیجئے۔

"یہ شخص یا تو ملحد ہے یا شرع سے کفر کی جانب مائل ہو گیا ہے' یا زندیق ہے کہ کوئی دین نہیں رکھتا۔ اگر اس نے گرفتاری سے پہلے توبہ کر لی اور ان گمراہیوں سے رجوع کیا اور توبہ کی علامتیں اس سے ظاہر ہو گئیں' تو قتل نہ کیا جائے۔ ورنہ دین کی حفاظت کیلئے اس کا قتل واجب ہے اور دلاۃ امر پر واجب ہے کہ ایسا کریں۔" (پاکستان کا معمار اول صفحہ 82)

اور یہ بھی جان لیجئے کہ یہ سب کچھ کس شخص کے خلاف کہا جا رہا ہے' اس شخص کے خلاف جو اپنے دارالعلوم کے طلباء کو خطاب کرتے ہوئے کہتا ہے کہ:

"یاد رکھو! سب سے سچا کلمہ **لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ** ہے۔ اس پر یقین رکھنے کی بدولت' ہماری قوم' ہماری قوم ہے۔ اگر تم نے سب کچھ کیا اور اس پر یقین نہ کیا تو تم ہماری قوم نہ رہے۔ پھر تم اگر آسمان کے ستارے بھی ہو گئے تو کیا؟ مجھے امید ہے کہ تم علم اور اسلام' دونوں باتوں کے نمونے ہو گے اور جبھی ہماری قوم کو حقیقی عزت نصیب ہو گی۔" (پاکستان کا معمار اول صفحہ 129)

آج تاریخ کا یہ فیصلہ ہے کہ سر سید احمد خانؒ' ہندوستان میں مسلمانوں کی نشاۃِ ثانیہ کے اولین نقیب ہیں اور آج اگر قوم میں اعلیٰ تعلیم یافتہ افراد نظر آتے ہیں تو انہی کوششوں کی ثمر باری ہے جن کا بیج سر سید کے عظیم ہاتھوں بویا گیا۔ آج سر سید احمد خانؒ کو ایک دنیا جانتی ہے اور ان کے خلاف فتوے دینے والے گمنامی کی غاروں میں کھو چکے ہیں۔ اگر کبھی کہیں کوئی انہیں جانتا ہے تو سر سید احمد خاںؒ کے حوالہ سے۔

اور یہ ہے وہ حسن کارانہ سلوک جس سے یہ حضرات قوم کے محسنوں کو گردن زدنی ٹھہراتے ہیں اور اس پاکستان میں بیٹھ کر' جس کی بنیاد کی پہلی اینٹ' 8 جنوری 1877ء کے دن علیگڑھ کالج کی شکل میں رکھی تھی' آج بھی ان پر طعن و تشنیع کے تیر چلا رہے ہیں۔

اب ہم آگے بڑھ کر علامہ اقبالؒ کی طرف آتے ہیں۔ جنہیں قوم مفکرِ پاکستان کہہ کر پکارتی ہے ان ہی کے نالۂ نیم شبی اور کاوش ہائے شب و روز نے قوم کو خوابِ غفلت سے بیدار کیا اور انہوں نے ہی' آل انڈیا مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس منعقدہ الٰہ آباد (ہندوستان) کی آخری نشست سے خطاب کرتے ہوئے' ان کی منزلِ مقصود کا تعین کیا اور اس ملّی جنگ کی قیادت کیلئے محمد علی جناحؒ جیسے بے باک' نڈر اور دیدور قائد کا انتخاب کیا' جس کے نتیجہ میں آج ہمارا شمار آزاد قوموں کی صف میں ہوتا ہے۔ علامہ اقبالؒ نے بھی اپنے اس سینہ پر' جو ملت کے غم سے اور عشقِ رسولؐ سے معمور تھا' ان حضرات کے تیر ہائے طعن و تشنیع سہے اور جو آج انہی کے اشعار اپنے خطبات و مواعیظ میں استعمال کرتے ہوئے انہیں حکیم الامت کے سمے خطاب سے نوازتے ہیں۔

صرف اس لئے کہ ان کی نگارشات ان کا اپنا قد بڑھانے میں معاون بنتی ہیں۔

علامہ اقبالؒ نے جب قوم سے کہا کہ:

گر تو مے خواہی مسلماں زیستن
نیست ممکن جز بقرآں زیستن

اور شکوہ لکھا تو انہی حضرات نے انہیں بھی کافر و ملعون گردانا۔

حضرت قائداعظم علی جناحؒ کہ جنہیں آج ملتِ پاکستانیہ بابائے قوم کے محترم نام سے یاد کرتے ہیں جب اقبالؒ کی ترغیب سے اس میدانِ کارزار میں اترے تو اس وقت اقبالؒ زندگی کے آخری ایام میں تھے۔ قائداعظمؒ کی اعانت اور تحریکِ پاکستان کی دینی اساس سے متعلق مشوروں اور رہنمائی کیلئے' علامہ اقبالؒ، قائداعظمؒ کے ہاتھ میں چوہدری غلام احمد پرویز کا دامن دیتے ہوئے اس جہان سے رخصت ہو گئے۔

اگر آپ کے علم میں نہ ہو تو ہم آپ کو بتاتے چلیں کہ تحریکِ حصول پاکستان کے دوران' ہمارے ان ہی حاملانِ دینِ متین اور داعیانِ شرعِ مبین نے پاکستان کے حصول کی مساعی کے خلاف ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا تھا اور ہندو کانگریس کے آلۂ کار بن کر اپنی "عمر عیار والی زنبیل" کا کوئی حربہ نہیں چھوڑا تھا جو پاکستان کی مخالفت میں استعمال نہ کیا ہو۔ حضرت قائداعظمؒ نے جب مسلمانوں کی اس ملی جنگ کا آغاز کیا تو اس محاذ کو جو ان کا میدانِ عمل نہ تھا(اور چونکہ علامہ اقبالؒ، پرویزؒ صاحب کو قائداعظمؒ کے حوالہ کر گئے) پرویز صاحب کے سپرد کیا۔

پرویزؒ صاحب کی ان ملی خدمات کے سلسلہ میں اپنی طرف سے کچھ لکھنے کی بجائے' حکومت پنجاب (پاکستان) کے شعبہ تحریک پاکستان' محکمہ اطلاعات و ثقافت (جس نے تحریک پاکستان کے مایہ ناز کارکنان کی خدمات کے اعتراف میں انہیں سونے کے تمغے دینے کی طرح ڈالی ہے) کی شائع شدہ کتاب "تحریکِ پاکستان گولڈ میڈل" (ایڈیشن 1989ء) سے ان کا وہ تعارف پیش کرتے ہیں جو انہیں تحریک پاکستان کا گولڈ میڈل پیش کئے جانے کے وقت پڑھ کر بھی سنایا گیا تھا اور جو اب اس کتاب میں درج ہے۔ ملاحظہ فرمایئے۔

علامہ غلام احمد پرویز۔ بٹالہ' دہلی' لاہور

علامہ غلام احمد پرویز مرحوم کی تاریخ پیدائش 9 جولائی 1903ء ہے۔
تحریکِ پاکستان کے دوران مرکزی حکومتِ ہند کے ہوم ڈیپارٹمنٹ میں ملازم تھے۔
قیامِ پاکستان کے ساتھ ہی وہ مرکزی حکومتِ پاکستان میں منتقل ہو گئے اور 1955ء میں اسسٹنٹ سیکرٹری کے عہدے سے ریٹائر ہوئے۔

شیدائی اقبالؒ ہونے کے ناطے' آپ 1930ء سے مسلمانوں کی جداگانہ آزاد مملکت کے اس تصور کو آگے بڑھاتے رہے جسے حضرت علامہ اقبالؒ نے الٰہ آباد کے مقام پر مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس میں اپنے صدارتی خطبہ میں پیش کیا تھا۔

1937ء کے موسم گرما میں' علامہ اقبالؒ کے ایماء پر حضرات قائداعظمؒ نے اپنے قیام شملہ کے دوران علامہ پرویز کو بلا کر فرمایا کہ یہ مولوی صاحبان تحریک پاکستان کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوئے ہیں' اس کی مدافعت کے محاذ کو میں تمہارے سپرد کرنا چاہتا ہوں۔ چنانچہ حضرت قائداعظمؒ کی ہدایت پر وہ تمام ضروری اقدامات کئے گئے جن کے نتیجہ کے طور پر ماہنامہ "طلوع اسلام" کے دورِ جدید کا اجراء مئی 1938ء کے شمارہ کے ساتھ عمل میں آیا۔ اس ماہناہ میں پرویزؒ صاحب نے قرآن کریم کے عطا فرمودہ "دو قومی نظریہ"۔ اسلامی مملکت کی ضرورت اور اس کے بنیادی تقاضوں پر گرانقدر مقالات لکھے۔ اس دوران کانگرسی اور نیشنلسٹ علماء کی طرف سے مسلمانوں کی جداگانہ آزاد مملکت کے خلاف جو کچھ لکھا جاتا رہا' اس کا آپ نے مؤثر دفاع کیا۔

علامہ موصوف اس وقت سرکاری ملازمت میں تھے' اس لئے مسلم لیگ کے سٹیج سے بات کرنا تو ان کیلئے دشوار تھا' تاہم دہلی اور اس کے گردونواح کے ایسے تمام شہروں میں جہاں شام کو جا کر اگلے روز علی الصبح واپس آیا جا سکے' مسلم لیگ کے شبانہ جلسوں کے فوراً بعد اسی سٹیج سے بزمِ اقبالؒ کی محفل آراستہ کی جاتی جس میں پرویزؒ صاحب قرآنِ کریم اور فکرِ اقبالؒ کی روشنی میں پاکستان اور مسلمانوں کی جداگانہ مملکت کے تصور کو واضح طور پر قوم کے سامنے پیش کرتے۔

یہ عملی جدوجہد قیامِ پاکستان تک جاری رہی' حتی کہ جب 1946ء میں سرخپوشوں اور کانگرس کی ملی بھگت سے مسلم اکثریت کے صوبہ سرحد میں' پاکستان میں شمولیت / عدم شمولیت کے سوال پر ریفرنڈم کرانا طے پا گیا تو پرویزؒ صاحب صوبہ سرحد میں تشریف لے گئے اور اس وقت کے سرحد مسلم لیگ کے صوبائی صدر خان بخت جمال خان اور ان کے رفقاء کی معاونت سے صوبہ سرحد کی کانگرسی وزارت اور سرخپوش لیڈر خان عبدالغفار خان کی ہمہ جہت مخالفتوں کے علی الرغم' سرحد کے مسلم عوام کا فیصلہ کن ووٹ پاکستان کے حق میں ڈلوانے میں

کامیاب ہوئے۔

علامہ پرویز 38-1937ء سے حضرت قائداعظم علیہ الرحمتہ کے' تحریک پاکستان کی دینی اساس کے موضوع پر ذاتی مشیر کی حیثیت سے بھی کام کرتے رہے۔ یہی وہ واحد شخصیت تھی جنہیں حضرت قائداعظم سے پیشگی وقت لئے بغیر ان کی خدمت میں' کسی وقت بھی باریابی کا شرف حاصل رہا ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ قائداعظمؒ نے قرآنی ہدایات سامنے آ جانے کے بعد ہمیشہ انہی کے مطابق عمل کیا۔ پرویز صاحب ان معدودے چند دانشوروں میں شامل ہیں جنہوں نے بقول پیر علی محمد راشدی' پاکستان کی سکیم کی تیاری میں مدد کی تھی۔

حضرت قائداعظمؒ علامہ پرویزؒ پر غایت اعتماد رکھتے تھے اور ان کی رائے کو اس قدر اہمیت دیتے تھے کہ جب انکا وقت آیا تو ان سے پاکستان کے سیکریٹریٹ کیلئے مناسب افسروں کے انتخاب کیلئے سفارش طلب کی۔

قیام پاکستان کے بعد اپنی وفات تک جب کسی دریدہ دہن نے بانیٔ پاکستان حضرت قائداعظم محمد علی جناحؒ یا ان کے رفقاء کیخلاف ہرزہ سرائی کی ناپاک کوشش کی تو یہی مرد مجاہد آڑے آیا اور ہر موقع پر ایسے مدلل مقالات سپرد قلم کئے جن سے تحریک پاکستان کے ان زعماء کی عظمت کردار نکھر اور ابھر کر قوم کے سامنے آتی رہی۔ علامہ غلام احمد پرویز نے 24 فروری 1985ء کو وفات پائی۔

چونکہ علماء نے بالعموم (سوائے معدودے چند علمائے کرام) تحریک پاکستان کی مخالفت کی تھی اور اس میں انہیں ہزیمت اٹھانا پڑی تھی اس لئے انہوں نے اسے شکستِ پندار کا مسئلہ بنا لیا اور چونکہ اس محاذ کے سربراہ پرویزؒ صاحب تھے اس لئے اس کے انتقام کے طور پر ان کے خلاف' ان وسیع ذرائع ابلاغ کو بروئے کار لاتے ہوئے جو انہیں میسر تھے (مساجد اور انکے مدارس) پرویزؒ صاحب کے خلاف اس انداز سے پروپیگنڈا کیا کہ ان کا نام تک انتہائی ردعمل کا سبب بنتا گیا۔

تحریک حصول پاکستان میں پرویزؒ صاحب کی "مذہبی محاذ پر مخالفت کے سدباب میں کامیابی" ہمارے علماء کرام کا وہ المیہ ہے جس میں ان حضرات کے حصہ میں روسیاہی کے سوا کچھ نہ آیا اور آج تک یہ اس شکست کو بھول نہیں سکے۔ یہ وجہ ہے جو ان کے خلاف پراپیگنڈہ کسی صورت ختم ہونے میں نہیں آتا۔

لیکن اس سب پراپیگنڈے کے علی الرغم پرویزؒ صاحب بھی' تمام عمر قوم کے سامنے قرآن حکیم کی تعلیم اس کی خالص اور منزّہ صورت میں پیش کرتے رہے اور اپنی تمام تر توانائیاں اور مساعی اس مقصد میں صرف کرتے رہے کہ اس مملکتِ خداداد کی فضا کو اس عظیم قرآنی انقلاب

کیلئے ہموار کیا جائے جس نے ایک بار اس زمین کو جنت ارضی میں بدل دیا تھا اور جسے بار دگر جیتی جاگتی شکل میں قائم و دائم کرنے کے لئے اس مملکت کو حاصل کیا گیا تھا، لومتہ لائم سے بے پرواہ ہو کر اپنے مقصد کی دُھن میں مصروفِ عمل رہے اور ان کے قائم کردہ ادارے (تحریک طلوع اسلام کے تمام ذیلی ادارے) بھی اسی مقصد کو اپنے لئے فروغِ دیدہ و دل بنائے آگے بڑھتے چلے جا رہے ہیں اور بڑھتے چلے جائیں گے تا آنکہ

ھی حتی مطلع الفجر

وہ صبح یقیناً" نمودار ہو گی جس کے انتظار میں زمانہ قرنہا قرن سے کروٹیں بدل رہا ہے اور **اشرقت الارض بنورِ ربھا** - زمین اپنے نشوونما دینے والے کے نور سے جگمگا اٹھے گی۔ انشاء اللہ

ادارہ طلوع اسلام

کراچی صدر اور حیدر آباد (قاسم آباد) سندھ میں

سلسلہ وار درس قرآن کریم کا اہتمام (بذریعہ ویڈیو کیسٹ) مندرجہ ذیل مقامات پر کیا گیا ہے۔

شہر و مقام		دن	وقت
کراچی صدر	فاروق ہوٹل ہال۔ زیب النساء سٹریٹ بالمقابل فٹ رائٹ شوز شاپ	جمعۃ المبارک	10 بجے صبح
حیدر آباد	12-B حیدر آباد ٹاؤن فیز 2 بالمقابل نسیم نگر قاسم آباد	جمعۃ المبارک بعد نماز عصر	

دعوت عام ہے تشریف لائیں

قرآنی لٹریچر۔ جملہ مطبوعات طلوع اسلام ٹرسٹ، مجلّہ طلوع اسلام کے تازہ شمارے درس کے دوران 35% رعایت کے ساتھ حاصل کئے جا سکتے ہیں۔

رابطہ:

ایاز حسین انصاری نمائندہ بزم طلوع اسلام کراچی صدر، بزم طلوع اسلام قاسم آباد حیدر آباد (سندھ)
ٹیلی فون: کراچی 4571919 حیدر آباد 654906

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محمد اسلم نوید۔ بورلوالہ

بیاد پرویزؒ

گاہے گاہے باز خواں

سب سے پہلے میں ان خوش بختوں کی خدمت میں مبارکباد پیش کرتا ہوں کہ جنہوں نے قرآنی فکر کو کمپیوٹر انٹرنیٹ (INTERNET) پر لانے کی سعادت حاصل کی اور ان دوستوں کو بھی جو تحریک کے لٹریچر کا انگریزی ترجمہ کر رہے ہیں۔ اللہ ان کی کوششوں کو دوام بخشے۔

لائق صد تحسین ہے ڈان ماڈل سکول کی انتظامیہ کہ جسکی محنت شاقہ سے یہ ننھا سا پودا بار آور ہو رہا ہے۔ قابل صد مبارک ہے ان سکولوں کی انتظامیہ بھی جس نے دور حاضر کی زہر آلود فضا سے محفوظ رکھنے کے لئے بچوں کے لئے علامہ غلام احمد پرویزؒ کی کتاب "اسلامی معاشرت" اپنے نصاب میں شامل کی ہے۔ خوش نصیب ہیں وہ کارکنان تحریک بھی جو خدا کی کتاب عظیم کی شمع فروزاں کو لے کر گاؤں گاؤں، شہر شہر، ملک ملک اس لئے مصروف تگ و تاز ہیں کہ انسانیت کی راہیں روشن ہو جائیں اور یہ زمین اپنے پروردگار کے نور سے جگمگا اٹھے۔ تبریک و تہنیت کے ان پیغامات کے ساتھ میں علامہ غلام احمد پرویزؒ کی کچھ باتیں کہ وہ عظیم ہستی 24 فروری 1985 کو ہم سے جدا ہو گئی تھی، آپ کے سامنے لانا چاہتا ہوں تاکہ ہم وابستگان فکر قرآنی اپنے ماضی پر نگاہ بازگشت ڈال کر اندازہ لگا سکیں کہ تحریک کی ترویج و ترقی کے ساتھ ساتھ، تحریک کے ساتھ قلبی وابستگی اور آپس میں **الف بین قلوبکم** کی شاہراہ پر ہم کتنا آگے بڑھ سکے ہیں۔

علامہ غلام احمد پرویزؒ کے یہ ارشادات اگرچہ شائع شدہ ہیں اور ان کی وفات کے بعد بھی وقتاً فوقتاً احباب کے سامنے آتے رہے ہیں لیکن وقت اور حالات کا تقاضا ہے کہ انہیں بارؔ بار سامنے لایا جائے۔

کنونشن 1956ء میں "بادۂ زندگی" کے عنوان سے اپنے خطاب میں آپ نے فرمایا۔

"جو احباب قرآنی فکر کے اس راستے میں میرے رفیق سفر بننے پر آمادگی ظاہر کرتے ہیں، میں کوشش کیا کرتا ہوں کہ یہ حقیقت ان کے دل کی گہرائیوں میں پیوست ہو جائے کہ یہ راستہ بڑا صبر آزما اور استقامت طلب ہے جس میں خالی جذبات کی ولولہ انگیزی کچھ کام نہیں آتی، بلکہ تخریبی نتائج پیدا کر دیتی ہے۔ وہ یہ سب کچھ سن کر آگے بڑھتے ہیں لیکن تجربہ نے یہ بتایا ہے کہ ان میں اکثر اس حوصلہ شکن مسلک پر زیادہ دیر گامزن نہیں رہ سکے۔ ان کی بے تابیٔ تمنا انہیں رہ رہ کر ہنگامہ خیزی پر اکساتی رہی ان میں بعض تنگ آ کر میری سست روی پر طعنہ زن بھی ہوتے۔ لیکن جب وہ اس کے باوجود مجھے اپنی روش بدلنے پر آمادہ نہیں کر سکتے تو ان میں سے کچھ تو یہ کہہ کر بیٹھ جاتے ہیں کہ کون جیتا ہے تیری زلف کے سر ہونے تک، اور اپنے جذبات کی تسکین کے لئے

دوسری راہیں تراش لیتے ہیں۔ مجھے ان سے کوئی گلہ ہے نہ ان سے شکوہ' یہ داستان میں نے دہرائی اس لئے ہے کہ آپ میں سے جو احباب اپنے دل میں اس بادہ پیمائی کا ولولہ رکھتے ہوں وہ اس مرحلہ کی شکیب آزمائی کا اچھی طرح سے اندازہ کر لیں اور خوب سمجھ لیں کہ دنیا میں سب سے زیادہ مشکل کام اپنے اندر انقلاب پیدا کرنا ہے۔ پہلے ذہنی انقلاب' پھر قلبی انقلاب اور جب تک وہ اس مرحلہ سے گزر نہیں جاتے' کوئی دوسرا پروگرام ان کے سامنے آ نہیں سکتا۔ (منزل بہ منزل صفحہ 23)

ذہنی کے بعد قلبی تبدیلی کے عنوان کے تحت فرماتے ہیں کہ جو احباب اس طرح ذہنی طور پر اس فکر سے ہم آہنگ ہو جائیں ان کے سامنے اگلا مرحلہ یہ آتا ہے کہ جن حقائق کو انہوں نے ذہنی طور پر صحیح سمجھا ہے ان کے مطابق اپنے قلب میں بھی تبدیلی پیدا کریں اس لئے کہ قرآن کریم ایسی تحریک کی کامیابی کے لئے صرف ذہنی انقلاب ہی کو کافی نہیں سمجھتا وہ اس کے ساتھ قلبی تبدیلی کو بھی ضروری قرار دیتا ہے۔ اسی کا نام سیرت کی پختگی یا ذات کا استحکام ہے۔ وہ اس تطہیر فکر و نگاہ سے ایسے افراد تیار کرتا ہے جو قرآنی نظام کی بنیادوں کو استوار کریں۔ وہ ان کے داخلی انقلاب سے خارجی انقلاب عمل میں لاتا ہے۔

لیکن برادران ! انقلاب کا یہ طریقہ بڑا صبر آزما اور ہمت طلب ہوتا ہے۔ اس میں فرہادی استقامت اور کوہ کنی استقلال کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس میں قدم قدم پر پروانے کی طرح خاموشی سے جل جانے اور اُف تک نہ کرنے کی منزلیں آتی ہیں۔ اس میں نہ نمائش کے مواقع ہوتے ہیں نہ نمود کی گنجائش - نہ ذاتی صلہ کی امید نہ ستائش کی توقع۔ یہ راستہ لمبا بھی ہوتا ہے اور پُرخار بھی' غیر مانوس بھی ہوتا ہے اور آبلہ انگیز بھی۔ اس میں لاکھ جی گھبرائے اور ہزار طبیعت اکتائے شارٹ کٹ (SHORT CUT) کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔ اپنے مشہور خطاب 'شعلہ نمناک' میں آپ نے فرمایا :-

آپ قرآنی تعلیم کو صحیح طور پر سمجھنے کا ولولہ اپنے دل میں رکھتے ہیں۔ یہ بڑی مبارک بات ہے لیکن قران کریم کا سمجھ لینا مقصود بالذات نہیں۔ اسے سمجھا اس لئے جاتا ہے کہ اس پر عمل کیا جائے۔ اگر قرآنِ کریم کا صحیح مفہوم ہماری سیرت و کردار میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں کرتا تو یہ ذہنی تفریح سے زیادہ نہیں۔ اگر اس سے ہمارے قلب کی گہرائیوں میں کوئی ایسا انقلاب پیدا نہیں ہوتا جس کی جھلک ہماری روزمرہ زندگی میں نہ پائی جائے تو ایسی قرآن فہمی محض شاعروں کی داد ہے جس سے کچھ فائدہ نہیں۔

خرد نے کہہ بھی دیا لا الٰہ تو کیا حاصل
دل و نگاہ مسلمان نہیں تو کچھ بھی نہیں۔

دل و نگاہ کی اس مسلمانی کا مظاہرہ ہماری رفتار و گفتار و کردار سب میں ہونا چاہئے۔ اگر ہماری سیرت پاکیزہ' نگاہ بلند' کردار پختہ' اور معاملات صاف نہیں' تو ہم میں اور ان لوگوں میں کیا فرق ہے جن کے متعلق ہم کہتے ہیں کہ وہ قرآنِ کریم کی تعلیم کو صحیح طور پر نہیں سمجھتے بجز اس کے کہ ہم اپنے آپ کو فریب دے لیں کہ ہم اُن سے بہت آگے ہیں کیونکہ ہم قرآنی تعلیم کو ان سے بہتر سمجھتے ہیں۔ قرآن کو سمجھنے والوں کی زندگیاں ایسی ہونی چاہئیں

جن سے وہ چلتے پھرتے دوسروں سے ممتاز و متمیز نظر آئیں اور جس کسی کو ان سے واسطہ پڑے، وہ ان کے حسنِ معاملہ سے متأثر ہو کر بے ساختہ پکار اٹھے (دیدہ ام مردے دریں قحط الرجال) اس میں شبہ نہیں کہ ہمارے پیشِ نظر پورے کے پورے معاشرہ میں قرآنی انقلاب پیدا کرنا ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ جب تک معاشرہ میں انقلاب نہ آ جائے ہم اپنے اندر کوئی تبدیلی پیدا نہ کریں۔ غلط معاشرہ کی بعض مجبوریاں ایسی ہوتی ہیں جن پر انفرادی طور پر قابو پانا مشکل ہوتا ہے، لیکن زندگی کے جن دائروں میں ہم مجبور نہیں وہاں کونسی چیز مانع ہو سکتی ہے کہ ہم اپنے اندر حسنِ سیرت پیدا نہ کریں؟ اپنی ہر کمزوری کے لئے معاشرہ کی مجبوری کو سپر بنا لینا بہت بڑی خود فریبی ہے۔ قرآن کا نام لینے والوں کو زیب نہیں دیتا کہ وہ اپنے آپ کو خود فریبی میں مبتلا رکھیں۔ صداقت، اخوت، محبت، شفقت، حسن معاملہ، ایفائے عہد، کشادہ نگہی، وسعتِ ظرف، تحمل، بردباری، پاکیزگیٔ خیالات، عفتِ قلب و نظر، ہمارے امتیازی نشانات ہونے چاہئیں۔ میں نے ان چند خصوصیات کا ذکر محض مثال کے طور پر کیا ہے۔ فرمایئے ان میں کونسی بات پر بحالتِ موجود انفرادی طور پر عمل نہیں کیا جا سکتا۔ آپ سے میری گذارش ہے کہ قرآنی فکر کی نشرواشاعت کے ساتھ ساتھ اپنے ذاتی کردار کا بھی خیال رکھیں۔ حق تو یہ ہے کہ فکری پیش کش اسی کی مؤثر ہو سکتی ہے۔ جس کا کردار قابلِ اعتماد ہو۔ جو بھرے مجمع میں کہہ سکے کہ "میں نے تم میں اپنی عمر گزاری ہے تم اس سے اندازہ لگا سکتے ہو کہ میں کس قسم کا آدمی ہوں"۔ میرے عزیز رفیقو!

زندگی کی ان چھوٹی چھوٹی باتوں کو معمولی نہ سمجھو، کریکٹر کی پہچان ہی روزمرہ زندگی میں اس قسم کے چھوٹے چھوٹے امور سے ہوتی ہے۔ منجملہ یوں سمجھئے کہ ہماری ساری زندگی سیرت محمدیہؐ کے قالب میں ڈھلتی ہوئی ہونی چاہئے کہ قرآن فہمی کا فطری نتیجہ یہی ہے۔ (اگر با ایں نہ رسیدی تمام بولہبی است)۔ محترم علامہ پرویزؒ اسی طرح ہر سال اپنا پیغام دہراتے چلے گئے 1968ء میں "جہانِ دیگرے" کے عنوان کے تحت فرمایا۔

میں قرآنی تحریک کے سلسلہ میں ایک اور اہم نقطہ بھی سامنے لانا چاہتا ہوں۔ میں نے دیکھا یہ ہے کہ جو احباب اس فکر سے اچھی خاصی دلچسپی رکھتے ہیں وہ بھی اکثر و بیشتر اسے ذہنی تحریک سمجھتے ہیں۔ یہ تصور بنیادی طور پر غلط ہے اور بہت بڑی خود فریبی کا موجب۔ قرآن کریم کو سمجھا تو بے شک ذہنی طور پر ہی جاتا ہے لیکن اس کا محیط درحقیقت انسانی قلب ہے۔ اگر قرآن کریم کا فکری طور پر سمجھ لینا انسان کی سیرت و کردار میں تبدیلی پیدا نہیں کرتا تو اس فکری کاوش کا کچھ فائدہ نہیں۔ اگر آپ کسی نسخہ کے خواص و اثرات کا پورا علم رکھتے ہیں۔ لیکن اسے استعمال کر کے اپنے مرض کا ازالہ نہیں کرتے تو اس نسخہ کے متعلق آپ کی یہ معلومات آپ کو کچھ فائدہ نہیں دے سکتیں۔ جو حضرات قرآنی فکر کو ذہنی عیاشی سے آگے نہیں بڑھاتے انہیں اس خود فریبی سے ضرور نکالنا چاہتا ہوں کہ وہ اپنا وقت ضائع نہ کریں۔ جس کے قلب و نگاہ میں پاکیزگی نہیں اُسے قرآنِ کریم سے بھلا کیا مَس ہو سکتا ہے (56/79) یہ وہ متاعِ گراں بہا ہے جس کا متلاشی اس حقیقت سے آشنا

ہوتا ہے۔

ہم دل کا دیا جلا کے لائے ہیں
تب جا کے تیرا سُراغ پایا ہے

اگر آپ کے دل کا دیا نہیں جل رہا تو آپ کے ماتھے کی آنکھوں کی بصارت آپ کو راستہ نہیں دکھا سکتی۔ دل کے دیئے کی لَو کا مظاہرہ انسان کی سیرت و کردار سے ہوتا ہے۔ اسی لَو سے زندگی کی راہیں روشن ہوتی ہیں اور یہی دوسروں کیلئے قندیلِ راہ بنتی ہے۔ فرماتے ہیں۔ میں آپ کے لئے اس مہیب اور خطرناک لیکن (بظاہر) بڑی خوشنما و دیدہ زیب چٹان کی نشان دہی بھی ضروری سمجھتا ہوں جس سے ٹکرا کر دنیا کی بڑی بڑی تحریکوں کی کشتی پاش پاش ہو جاتی ہے اور ہوتی رہیگی۔ ایک داعی ایک پیغام دیتا ہے۔ یہی اس کی تحریک کا نقطۂ ماسکہ ہوتا ہے۔ وہ پیغام صاف' واضع اور متعین ہوتا ہے۔ جب تک وہ تحریک اس پیغام کے ساتھ وابستہ رہتی ہے وہ زندہ اور متحرک رہتی ہے لیکن اس کے بعد ہوتا یہ ہے کہ وہ لوگ جنہیں دنیا دیکھتی ہے کہ وہ اس بانیٔ تحریک کے بہت قریب ہوتے ہیں بہت سی باتیں اس کی طرف منسوب کر کے ان کا چرچا عام کر دیتے ہیں اور نتیجہ اس کا یہ کہ رفتہ رفتہ اس داعی کی طرف منسوب کردہ روایات اصل پیغام کی جگہ لے لیتی ہے اور یوں وہ تحریک کچھ سے کچھ بن جاتی ہے۔ مجھے عزیزانِ من ! کسی قسم کا دعویٰ نہیں میں نے قرآنِ کریم کو اپنی بصیرت کے مطابق سمجھنے کی کوشش کی ہے اور اس فکر پر اس تحریک کی بنیاد رکھی ہے۔ میری یہ فکر میری تحریروں میں محفوظ ہے۔ انہی تحریروں کا میں ذمہ دار ہوں۔ اگر کوئی شخص کوئی ایسی بات میری طرف منسوب کرے جو میری تحریروں میں نہیں تو اس بات کو نہ کوئی سند حاصل ہو سکتی ہے اور نہ میں اس کا ذمہ دار ٹھہرایا جا سکتا ہوں۔ خواہ وہ شخص مجھ سے' کتنا ہی قریب کیوں نہ ہو۔ میں نے اس وارننگ کو اس لئے ضروری سمجھا ہے کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ یہ سلسلہ ابھی سے شروع ہو گیا ہے۔ اس زمرہ میں وہ لوگ بھی ہیں جو باتیں تو اپنی طرف سے کرتے ہیں اور منسوب کر دیتے ہیں انہیں تحریک طلوع اسلام سے (انہیں علامہ پرویزؒ نے نادان دوست کے نام سے تعبیر کرتے ہوئے فرمایا) اس کا مجھے آئے دن تجربہ ہوتا رہتا ہے کہ ہمارے یہ نادان دوست جو ہماری تحریک سے وابستہ ہیں ان میں بعض بزموں کے ممبر بھی ہیں' اور طلوع اسلام کا مدت سے مطالعہ کرتے ہیں اور لٹریچر کا مطالعہ کرنے کا دعویٰ بھی کرتے ہیں۔ لیکن ان کی حالت یہ ہے کہ وہ طلوعِ اسلام کی تحریک' اس کی پیش کردہ قرآنی فکر اور خود میرے متعلق ایسے عقائد و نظریات لوگوں سے بیان کرتے ہیں جنہیں سن کر میں محوِ حیرت رہ جاتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ خدا مجھے میرے ان دوستوں سے بچائے۔

میرا اندازہ ہے آپ کی تحریک کو اتنا نقصان آپ کے مخالفین کے سب و شتم سے نہیں پہنچتا جتنا ان متفقین کی نواز شائے بیجا سے پہنچتا ہے۔ ان کی اس حرکت کی روک تھام نہایت ضروری ہے۔ میں مختلف بزموں کے نمائندگان حضرات سے درخواست کروں گا کہ وہ براہِ کرم اس سلسلہ میں کڑی نظر رکھیں۔ اگر کوئی رکن اس کی خلاف ورزی کرے تو اس کا مواخذہ کریں اگر کوئی رکن تنبیہ کے باوجود

اس سے باز نہ آئے تو سمجھ لیجئے کہ وہ آپ کے ساتھ شامل ہی آپ کی تحریک کو نقصان پہنچانے کے لئے ہوا ہے۔ تحریک کو اس سے بچاتے رہئے۔

آپ نے مزید فرمایا کہ قرآنی نظامِ ربوبیت خود اپنے اندر اتنی قوت رکھتا ہے کہ دنیا کا کوئی نظام یا تصور اس کے سامنے ٹھہر ہی نہیں سکتا۔ حقیقت یہ ہے کہ اسے دنیا کے سامنے پیش ہی نہیں کیا گیا۔ لیکن یہ بھی نہایت ضروری ہے کہ جو حضرات اسے دوسروں کے سامنے پیش کریں وہ خود اچھی طرح سمجھتے ہوں۔ اس لئے کہ تجربہ نے بتایا ہے کہ اس تحریک کو اتنا نقصان مخالفین کے ہاتھوں نہیں پہنچتا جتنا ان موافقین کی طرف سے پہنچتا ہے جو اس کی ماہیت سے خود اچھی طرح واقف نہیں ہوتے اور لوگوں سے طرح طرح کی باتیں کرتے ہیں۔ ان کی یہی باتیں مخالفین کے لئے اعتراضات کی بنیاد بن جاتی ہیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ آپ حضرات کی خود قرآن کریم پر نگاہ ہو۔ ایسی نگاہ کہ اگر کبھی میں بھی غلطی سے کوئی ایسی بات کہہ دوں جو قرآن کریم کے مطابق نہ ہو تو آپ مجھے فوراً ٹوک دیں۔ یاد رکھئے دین میں سند اور حجت میرا بھی کوئی قول نہیں ہو سکتا۔ سند اور حجت صرف خدا کی کتاب ہو سکتی ہے۔

"بادہ زندگی" میں فرماتے ہیں ! میں نے ایسی باتیں بھی سنی ہیں کہ بعض اراکینِ بزم یہ کہتے ہیں کہ انہوں نے جو اسلام اب سمجھا ہے اس کی بناء پر اب نماز پڑھنے کی ضرورت نہیں۔ میں پوچھتا ہوں کیا طلوعِ اسلام نے آپ کو یہی تعلیم دی ہے کہ نماز نہ پڑھنے پر فخر کرو؟

آپ نے غیر قرآنی روشِ زندگی کو تو نہ چھوڑا اور اس کی بجائے اس قسم کی باتیں کرنے لگ گئے اور ستم بالائے ستم یہ کہ اپنے آپ کو طلوعِ اسلام کی تحریک سے وابستہ ظاہر کر کے ایسی باتیں کرنے لگے۔

طلوعِ اسلام پر آخر یہ کتنا بڑا الزام ہے جو آپ نے عائد کر دیا۔ ذاتی طور پر مجھ میں بھی کمزوریاں ہیں اور میں ہمیشہ اپنی کمزوریوں کا اعتراف کرتا ہوں لیکن یہ انتہائی ظلم ہے کہ ہم اپنی کمزوریوں کے لئے جواز کی صورتیں تلاش کرنے لگ جائیں۔ آپ قرآنی نظریات کے خلاف سب کچھ کر رہے ہیں۔ تجارت، کاروبار، شادی، رشتے ناطے، سب کچھ ہو رہا ہے، بنک بیلنس برابر قائم ہیں، قرآن کے مطابق انہیں بدلنے کے لئے آپ کے ذہن میں کبھی کچھ نہیں آیا پھر نماز کے بارے میں ایسا کیوں؟

بعض گوشوں سے آوازیں آ رہی ہیں کہ یہ بھی ہمارے مخالفین کا پروپیگنڈا ہے جو طلوعِ اسلام سے وابستگی ظاہر کر کے اس قسم کی باتیں مشہور کرتے ہیں (علامہ پرویزؒ نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے فرمایا) معاشرہ میں اصلاح کا آغاز آپ اپنے گھروں سے ہی کر سکتے ہیں لیکن اگر پہلے خود ہی نماز روزہ چھوڑ دیں تو پھر اصلاح کس طرح ہو گی؟ خدارا اپنے قول و عمل کو بصیرت، علم اور خلوص پر مبنی رکھیئے۔

"مقدس بہانے" تلاش نہ کیجئے۔ اس بنیادی حقیقت کو اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ یہاں پروانے کی طرح جلنا ہے، مرغِ سحر کی طرح شور مچانا نہیں۔

(محترم پرویزؒ صاحب نے اراکین کو وہ وعدہ بھی یاد دلایا) (قرآن کے) وابستگان دامن کو تو جان اور مال دونوں اس جل جلالہٗ کے ہاتھوں بیچ دینے پڑتے ہیں۔ ہم تو اس سودے کا بیانہ تک بھی ادا نہیں کر

سکے۔ جس کے لئے انہوں نے اپنی مخلصانہ اپیل کو دھرایا۔

(I) اپنے ذہن میں کسی غیر قرآنی تصور، خیال کو جاگزیں نہ ہونے دو۔

(II) اپنے قول سے نہیں بلکہ عمل سے بھی ثابت کریں کہ قرآن کریم کی تعلیم انسان کو کس بلند مقام پر لے جاتی ہے۔

(III) فکر قرآنی کی نشر و اشاعت کو اپنی زندگی کا مقصد بنا لیں لیکن جو کچھ کریں اس میں کسی ذاتی مفاد یا جذبہ کو دخل انداز نہ ہونے دیں۔

(IV) آپ سے اس قسم کی کوئی حرکت سر زد نہ ہونے پائے جس میں فرقہ بازی یا پارٹی بازی کا شائبہ تک بھی پایا جائے۔ اپنے دامن کو ان خاردار جھاڑیوں سے قطعاً نہ الجھنے دیجئے۔

(V) اپنے وقت اور توانائی کو ضدی طبقہ کے ساتھ بحث و تمحیص میں ضائع نہ کیجئے۔

قرآنی تعلیم کو صرف ان لوگوں کے سامنے پیش کریں جو علم و بصیرت سے سمجھنے اور سنجیدگی سے اس پر غور کرنے کیلئے تیار ہوں۔

(VI) آپس میں محبت پیار مودّت اور اُلفت کے ساتھ رہئے۔ دنیا میں قرآنی رشتے سے زیادہ پاکیزہ اور گہرا رشتہ اور کوئی نہیں۔

آپ کی زندگی **رحماءبینھم** کی جیتی جاگتی تصویر ہو اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ آپ لوگوں کو ایک دوسرے پر بھروسہ ہو۔ نصب العین کی وحدت اس قسم کا بھروسہ پیدا کر دیتی ہے۔ اس کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ آپ تنظیمی معاملات میں چھوٹے چھوٹے اختلاف کو اہمیت نہ دیں اور اپنی بات منوانے پر ضد نہ کریں۔ دوسرے کو اپنے دل میں سمونے کیلئے آخری حد تک کوشش کریں۔ یاد رکھیئے آپ کی تسبیح کا ایک ایک دانہ بڑا قیمتی ہے۔ یہ منتشر موتی میں نے خدا خدا کر کر اکٹھے کئے ہیں۔ انہیں بکھرنے نہ دیجئے۔

آپ کی حقیقی متاع یہی غریب اور نادار رفیق ہیں جن کے سینے میں حرارت موم کے بنے ہوئے بڑے بڑے مہیب خداؤں کو پگھلا کر رکھ دیتی ہے۔ اپنی توجہ ان نادار لیکن مخلص رفیقوں پر مرکوز رکھنا جو آپ کی حقیقی متاع ہیں۔

(فرمایا) اس سے میرا مطلب یہ نہیں کہ مال و دولت والوں میں وفا شعار ہوتے ہی نہیں اور نہ ہی یہ کہ تحریک کو آگے بڑھنے کیلئے روپے پیسے کی ضرورت نہیں ہے۔ میرا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ دل کی صداقت اور خلوص کی بناء پر نہیں بلکہ محض مالی امداد کے سہارے تحریک میں نمایاں مقام حاصل کرنے کے لئے شامل ہوں وہ تحریک کے لئے نقصان کا موجب ہونگے۔ آپ کی تحریک میں معیار فضیلت، تقویٰ ہونا چاہئے یعنی خلوص قلب کے ساتھ فرائض منصبی کی ادائیگی نہ کہ مال و دولت، جاہ و حشمت۔ آپ یہ نہ دیکھئے کہ کسی کے پاس کیا ہے بلکہ یہ دیکھئے کہ وہ خود کیا ہے **لِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا** 46/19 آپ کا بنیادی معیار ہونا چاہئے۔

(ایک اور اہم نقطہ کی طرف توجہ مبذول کراتے ہوئے فرمایا) لیکن میں اس سلسلہ میں ایک وارننگ نہایت ضروری سمجھتا ہوں۔ قرآن کریم محض فکری وحدت کو کافی قرار نہیں دیتا اس کے نزدیک حقیقی وحدت وہ ہے جو قلوب کی ہم آہنگی سے پیدا ہو۔ جو شخص فکری طور پر اس مقصد کو صحیح سمجھ کر اپنے آپ کو اس رشتہ میں منسلک کرے وہ اس گروپ میں شامل ہو جائے گا۔ لیکن صرف اتنے سے وہ کیفیت پیدا نہیں ہو سکے گی جسے قران **الف بین قلوبکم** 3/103 سے تعبیر کرتا ہے یعنی دلوں کا آپس میں جڑ جانا اور

ایسا ہونا اس وقت تک ممکن نہیں جب تک آپ کی فکر آپ کے احساسات و جذبات کو متاثر اور متحرک نہ کرے۔ یاد رکھیئے تنہا فکر، عمل کی محرک نہیں ہو سکتی۔ عمل کے محرک جذبات و احساسات ہوتے ہیں۔ جب مختلف افراد کے جذبات ایک جیسی فکر سے متاثر ہوں گے تو اُن کے اندر وحدتِ کردار و عمل پیدا ہو گی۔ اس قرآنی حقیقت کو اب مغربی مفکرین بھی سمجھنے لگے ہیں۔ مشہور مفکر تہذیب J.H DENISON اپنی کتاب EMOTION AS THE BASE OF CIVILISATION میں لکھتے ہیں۔ جس کا اقتباس علامہ اقبالؒ نے اپنے چھٹے خطبہ کے آغاز میں لکھا ہے۔

(تہذیب کی نشوونما اسی صورت میں ممکن ہے کہ انسانوں کی زیادہ سے زیادہ تعداد کسی مقصد کے حصول کے لئے جدوجہد کرے۔ اس قسم کا اتحاد تنہا وحدتِ فکر کی بناء پر ممکن نہیں ہوتا یہ اتحاد وحدتِ جذبات و احساسات سے ممکن ہوتا ہے۔ اور وہ معتقدات و مقاصد بن جاتے ہیں)

(علامہ پرویزؒ) فرماتے ہیں "میں نے محسوس کیا ہے کہ ہم میں (یعنی جنہوں نے اس تحریک سے وابستگی اختیار کی ہے) ان میں قدر مشترک یا وجہ پیوستگی فکری وحدت ہے۔ اور ہماری غلط نگہی ہے کہ ہم نے اس کو کافی سمجھ لیا ہے۔ ہم میں جذبات و احساسات کی وحدت پیدا نہیں ہوئی" (یاد رہے انہوں نے یہ 76ء میں فرمایا تھا ٹھیک بیس سال پہلے) فرماتے ہیں اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہم میں اکثر باہمی نزاعات اُبھرتے رہتے ہیں حالانکہ جذباتی وحدت میں کسی قسم کے نزاع کا پیدا ہونا ممکن نہیں۔ یہ قرآنِ کریم نے مومنین کی خصوصیت بتائی ہے (**بعضھم اولیا بعض**) 9/71 وہ تو ایک دوسرے کے جگری دوست ہوتے ہیں۔ تو اس قسم کے تعلقات جذباتی وحدت کے بغیر ممکن نہیں۔ محض فکری وحدت سے گھڑی کے پرزوں کی طرح میکانکی تعاون تو پیدا ہو جائے گا۔ (**بعضھم اولیا بعض**) کی کیفیت پیدا نہیں ہو گی۔ گھڑی کے پرزے ساری عمر محوِ گردش تو رہتے ہیں لیکن رہتے ویسے کے ویسے ہی ہیں۔ بلکہ گھس کر ناکارہ ہو جاتے ہیں ان میں کسی قسم کا ارتقا پیدا نہیں ہوتا۔ فکری وحدت زیادہ سے زیادہ اسی قسم کے نتائج پیدا کر سکتی ہے۔ انسان کی داخلی دنیا میں تغیّر پیدا نہیں کر سکتی۔ باہمی نزاع کی وجہ کیا ہوتی ہے۔ مشہور روسی مفکر او سپنسکی لکھتا ہے:

(انسانوں کو ایک دوسرے کے سمجھنے میں غلط فہمیاں اس لئے پیدا ہوتی ہیں کہ وہ مختلف جذبات کے ماتحت زندگی بسر کر رہے ہوتے ہیں۔ اگر ان کے جذبات میں ہم آہنگی پیدا ہو جائے تو وہ ایک دوسرے کو بالکل صحیح سمجھنے لگ جائیں۔ محترم پرویزؒ صاحب فرماتے ہیں جن خوش بخت افراد میں اس قسم کی فکری اور جذباتی وحدت پیدا ہو جاتی ہے قرآنِ کریم ان کی زندگی کو جنتی زندگی سے تعبیر کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ جنتی معاشرہ میں داخل ہونے والوں کی اولین خصوصیت یہ ہو گی 7/43 کہ ان کے دلوں سے غِلّ نکال دیا جائیگا۔ یہ لفظ غِلّ ہے تو بہت چھوٹا سا لیکن معنی و مفہوم کے اعتبار سے بہت وسیع ہے۔ سمجھنے کو یوں **کہیئے** کہ ہمارے ہاں اکثر یہ کہا جاتا ہے کہ اس کے دل میں میرے خلاف گرہ بیٹھ گئی ہے جو نکلنے میں ہی نہیں آتی۔ غل کے بنیادی معنی اس قسم کی گرہ سمجھ لیجئے اور اس گرہ سے، ایک دوسرے کے خلاف کینہ، کدورت، حسد، انتقام، عداوت، کی جو زہر آلود خباثتیں پیدا ہوتی ہیں ان سب کو اس میں شامل کر لیجئے۔ یہ ہے مفہوم لفظ غل کا جنتی معاشرہ کی اولین خصوصیت یہ ہے کہ اس میں شامل ہونے والوں کے دلوں میں کوئی غل نہیں ہو گا۔ (بیس سال پہلے پرویزؒ صاحب نے یہ فرمایا تھا **سوچیئے** کیا آج ہم نے یہ غل اپنے دلوں سے

نکال لیا ہے؟ جو اولین شرط ہے- **سوچیئے** اور پھر **سوچیئے** اور پرویزؒ صاحب کا اگلا بیان **سنیئے**) اس جنتی معاشرہ کے افراد میں باہمی اعتماد کی کیفیت یہ ہو گی کہ شعوری راز تو ایک طرف، تحت الشعور میں جاگزین ستر مستور بھی ایک دوسرے سے پوشیدہ نہیں ہوں گے۔ یہ کیفیت ہو گی ان کے شرح صدر کی۔

فرمایا، اگر آپ کے باہمی تعلقات کی کیفیت ایسی ہی ہے تو پھر سمجھ لیجئے کہ تعلقات قرآنی راستہ پر استوار ہیں۔ اگر ایسی کیفیت نہیں ہے تو آپ کا رابطہ باہمی، فکری اور میکانکی ہے۔ اس سے میکانکی نتائج تو مرتب ہو سکتے ہیں قلب و نظر میں ہم آہنگی پیدا نہیں ہو سکتی۔ آپ ٹھنڈے دل سے **سوچیئے** کہ آپ جو قرآنی فکر کی بنیاد پر باہمی رابطے کے مدعی ہیں۔ آپ کا یہ رابطہ کس زمرہ میں آتا ہے۔ قلبی یا محض میکانکی (لیکن رکیئے کسی غلط فہمی کا شکار نہ ہو جایئے گا۔ بات نہ محض فکری ہم آہنگی کی ہے نہ محض جذبات کی۔ محض جذبات تو مذہبی جنونی بھی پیدا کر لیتے ہیں جن کے لئے محترم پرویزؒ صاحب بادہ زندگی میں فرماتے ہیں) --- صدر اول کے بعد ہماری تاریخ میں یہ پہلا موقع ہے کہ قرآنی نظام کی آواز بلند ہو رہی ہے۔ اگر یہ آواز ہماری کمزوریوں کی وجہ سے ناکام رہ گئی تو اس نظام کے متعلق سطح بین نگاہوں کا شبہ یقین میں بدل جائے گا کہ اس میں واقعی عملاً قائم ہونے اور آگے بڑھنے کی صلاحیت ہی نہیں۔ اسلئے آپ سوچ لیجئے کہ اس نظام کے داعی ہونے سے آپ کتنی عظیم ذمہ داری اپنے سر لے رہے ہیں۔ آپ کی ناکامی آپ کی ناکامی نہیں سمجھی جائے گی۔ خود اس نظام کی ناکامی قرار پا جائے گی۔ اسلئے آپ یا تو اس کے لئے قدم ہی نہ اٹھائیں اور اگر قدم اٹھانا ہے تو پھر اس قدم کو پیچھے نہ ہٹایئے گا۔ آپ جو فیصلہ بھی کیجئے، سوچ سمجھ کر کیجئے۔ یہ معاملہ بڑا نازک ہے۔ ایسا نہ ہو کہ ہماری وجہ سے قرآن کا پیغام بدنام ہو جائے۔ قرآن کا نظام تو بہرحال قائم ہو کر رہے گا اسے کوئی روک نہیں سکتا لیکن ایسا نہ ہو کہ جب اس کی تاریخ سامنے آئے تو اس میں ہمارے متعلق یہ درج ہو کہ ان کی وجہ سے اسے ایک اور دھکا پیچھے کی طرف لگا تھا۔ اگر ایسا ہوا تو پھر ہم کہیں کے نہ رہیں گے۔

(فالک ھو الخران المبین)

یہ کچھ کہنے والا آج ہم میں موجود نہیں (اللہ اسے اپنے انعامات سے نوازتا رہے) لیکن ہم کہ جنہوں نے زمانے میں انقلاب برپا کرنے کا عزم کر رکھا ہے، کیا اس داعیٔ انقلاب کی شادابیٔ قلم اور شگفتگیٔ بیان پر ہی سر دھنتے رہیں گے یا اسکی رعنائی فکر سے کسب ضیا کر کے اپنی زندگیاں قرآنی سانچے میں ڈھال کر دنیا کے سامنے مثال پیش کرنے کا کوئی پروگرام بھی ہمارے سامنے ہے؟ میں بھی سوچ رہا ہوں آپ بھی **سوچیئے**۔ اللہ ہم سب کا حامی و ناصر ہو۔

عید کارڈز

محدود تعداد میں رنگین عید کارڈ =/6 روپے فی کارڈ کے حساب سے امسال بھی دستیاب ہیں۔ حسب ضرورت بروقت منگوا لیجئے۔

ناظم ادارہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم ○

آنسہ عظمت ناز

محبت

آج مراد کا ایم - اے انگلش کا آخری پرچہ تھا' اسکی تیاری ٹھیک ٹھاک تھی۔ پرچہ اس نے حل کیا، پین بند کر کے جیب میں اڑوسا اور چپکے سے امتحانی مرکز سے باہر نکل گیا۔ اسے زوروں کی بھوک لگی تھی۔ اور جیب میں صرف بارہ روپے تھے۔

اس نے دو روپے کے چنے لئے اور ایک ایک کر کے کھاتا ہوا مال روڈ پہنچ گیا۔

وہ اپنی سوچوں میں گم آہستہ آہستہ چلتا جا رہا تھا۔ اسکی آنکھوں کے سامنے اپنے باپ کا چہرہ تھا جو پرچون کی دکان چلاتے چلاتے بوڑھا ہو چکا تھا۔ وہ انہیں آرام پہنچانا چاہتا تھا۔ اسکے ذہن پر بڑی بہن فاطمہ کی شادی اور چھوٹی سارا اور بھائی اویس کی پڑھائی کے مسائل ہتھوڑوں کی طرح برس رہے تھے۔ وہ ان کو خوشیاں دینا چاہتا تھا۔ مگر کیسے؟ بے اختیار اسکے منہ سے نکلا۔ اس نے کھوئی کھوئی نظروں سے اردگرد دیکھا بے شمار قیمتی گاڑیاں چیختی چنگھاڑتی ادھر ادھر دوڑ رہی تھیں اسے یوں محسوس ہوا جیسے سب اسکی غربت کا مذاق اڑا رہے ہوں۔

کیسے ہو گا یہ سب کچھ' ابھی تو رزلٹ آنے میں کافی دیر ہے۔ پھر جاب پتہ نہیں ملے گی بھی یا نہیں۔ خدشات نے سر ابھارا۔ لیکن ہو سکتا ہے مجھے فوراً" جاب مل جائے پھر میں اماں کا علاج کراؤنگا۔ ابا کو آرام کا موقع دونگا۔ آپی کی شادی کرونگا۔ سارا ایم بی اے کر لے گی' اویس ڈاکٹر ضرور بن جائیگا اور پھر میں اور ردا مل کر اپنا گھر بسائیں گے۔ اتنی ساری خوش فہمیوں کے اثر کی وجہ سے وہ انیف لمحہ کیلئے مسکرا دیا۔ ایک چمک سی اسکی آنکھوں میں آئی اور گزر گئی۔ وہ یونہی خود سے باتیں کرتا ہوا ریگل چوک تک پہنچ گیا۔ وہ جانے کب تک یہ خیالی پلاؤ پکا پکا کر اپنے بھوکے پیٹ کو تسلیاں دیتا رہتا کہ اچانک ایک بوڑھی عورت ایک دو تین سال کے بچے کو اٹھائے اسکے آگے آ کھڑی ہوئی۔

اے بابو! خدا کے نام سے کچھ دیتے جاؤ۔ اس بچے کی ماں مر گئی ہے۔ اس نے صبح سے کچھ نہیں کھایا۔ دودھ کے پیسے دیتے جانا۔ ہائے یہاں تو اندھیر مچا ہے۔ یہ امیر کسی کی بات نہیں سنتے۔ وہ اپنی ہی کہتی چلی گئی۔

مراد نے ایک سرد آہ بھری۔ کچھ سوچا اور دس روپے نکال کر اماں کی ہتھیلی پر رکھ دیئے۔

یہ لو۔ اماں' تم شاید مجھ سے بھی زیادہ ضرورتمند ہو۔

کچھ لوگ آخر اتنے غریب کیوں ہوتے ہیں کہ وہ اپنی تمام زندگی بھوکے پیٹ کو بھرنے کے جتن کرتے رہتے ہیں اور کچھ اتنے امیر کہ ان کے کتے بھی اس غریب بڑھیا سے بہتر زندگی گزارتے ہیں؟ اس نے تلخی سے سوچا۔ شاید قدرت کو ایسا ہی منظور ہے۔ ذہن میں یونہی ایک سوال ابھرا۔

لیکن فطرت ظالم تو نہیں ہوتی۔ کائنات کا مہربان سورج تمام ذی روح چیزوں کو یکساں حرارت اور زندگی بخشتا ہے۔ زمین سب کیلئے اناج اگلتی ہے اور ہوا سب کو برابر سانسیں بانٹتی ہے۔ تو پھر انسان کیوں ذرائع زندگی کو اتنی تنگ نظری اور ناانصافی سے تقسیم کرتا ہے کہ انسانیت امیر اور غریب کے غیر قانونی خانوں میں بٹ جاتی ہے؟

وہ شدید ذہنی کرب میں مبتلا تھا اور اس سے زیادہ سوچنا نہیں چاہتا تھا۔

اسکے سارے چنے ختم ہو چکے تھے۔ اس نے لفافہ پھینکا اور اپنے دوست زبیر کو ملنے یونیورسٹی ہوسٹل پہنچ گیا۔ ردا پہلے سے وہاں موجود تھی۔ موضوعِ سخن حسب معمول "محبت" تھا۔ لڑکیوں کی نمائندگی کرتے ہوئے ردا کہہ رہی تھی۔

محبت کائنات میں پایا جانے والا وہ واحد جذبہ ہے جسکی ایک ہی قسم ہے اور ایک ہی رخ ہے میرا مطلب ہے کہ محبت صرف محبت ہے نہ یہ حقیقی ہے اور نہ مجازی ہے اور ایک فرد کی زندگی میں محبت کے اثرات ہمیشہ مثبت ہوتے ہیں۔ جس سے محبت کی جائے انسان اس کے خلاف کبھی سوچ بھی نہیں سکتا۔ ہمارے ہاں جرائم کی بھرمار' میرے خیال میں انسان کے مابین محبت کا فقدان ہے یا روح محبت سے ناآشنائی۔

آپ کیسے کہہ سکتی ہیں کہ محبت کا صرف ایک پہلو ہے۔ میرے خیال میں تو نفرت محبت کا دوسرا رخ ہو سکتی ہے۔ آپکا کیا خیال ہے؟ مراد نے بیٹھتے ہی سوال داغ دیا۔

ردا نے سوال کو غور سے سنا اور بولی۔

جی نہیں۔ اگر انسانی ذات کے اندر پائے جانے والے جذبوں کا مشاہدہ کیا جائے تو فرق صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ محبت ایک الگ جذبہ ہے اور نفرت ایک دوسرا جذبہ ہے۔ جب ایک انسان اپنے تمام جذبوں کو نظر انداز کر کے صرف نفرت کے جذبے کے تحت زندگی گزارتا ہے تو دو قسم کے رویے ظاہر کرتا ہے' ایک مثبت اور دوسرا منفی' جبکہ محبت کرنیوالے فرد کا رویہ صرف مثبت نتیجہ پیدا کرتا ہے۔ کیونکہ نفرت کے دو پہلو ہیں اور محبت کا صرف ایک پہلو۔

مگر وہ کیسے؟ زبیر نے دلچسپی لیتے ہوئے پوچھا۔

وہ ایسے کہ ایک مجرم قسم کا فرد جب اپنی زندگی میں پائی جانے والی تلخیوں کے نتیجے میں پیدا ہونے والی نفرت کا اظہار ہر ممکن طریقے سے کر لیتا ہے تو بعض اوقات وہ نفرت کرتے کرتے تھک جاتا ہے اور ایک دن نفرت ختم کر کے نوع انسان کی بھلائی کے متعلق سوچنا شروع کر دیتا ہے۔ یہ جذبہ نفرت کا مثبت پہلو ہے۔ بعض اوقات وہی مجرم نفرت سے نفرت کو بھڑکاتا ہے اور ساری زندگی نفرت کر کے بھی وہ اپنے اندر کی آگ کو بجھا نہیں پاتا۔ یہ نفرت کا منفی پہلو ہے' جبکہ محبت کے جذبے کے تحت زندگی بسر کرنیوالے فرد کا رویہ اس سے بالکل مختلف ہوتا ہے۔ وہ جتنا پیار اور محبت' نوع انسان میں بانٹتا ہے اس کے اندر محبت اتنی ہی شدت سے بڑھتی چلی جاتی ہے اور یہ کبھی ختم نہیں ہوتی۔ ایسا شخص ایک ایسا انسان ہوتا ہے جو محبت کے جذبے کو استعمال کر کے اپنے کردار کو مثبت اقدار کے سانچے میں ڈھالتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پیغمبر دنیا میں ہمیشہ محبت کا پیغام دیتے آئے ہیں جس سے ہر دور میں امن و سلامتی کو فروغ ملا۔

درست کہا آپ نے لیکن فرد کی اپنے رب سے اور فرد کی فرد سے محبت میں آخر کچھ فرق تو ہو گا۔ زبیر نے بات کاٹی۔

میرے نزدیک انسان کا اپنے پروردگار سے محبت کا طریق یہ ہے کہ اسکی اس وسیع ترین کائنات کے رموز کو عقل و دانش سے سمجھا جائے اور زمین پر عالمگیر انسانیت کی بھلائی کے لئے رب کائنات کی طرف سے عطا کردہ معاشی' سیاسی ' معاشی' اور معاشرتی نظام قائم کیا جائے تاکہ نوع انسان اپنی پیدائش کے تعمیری مقاصد کو پورا کر سکے اور یوں رب سے محبت نبھانے کا حق ادا کر سکے۔ غور کیجئے تو اللہ سے محبت کا تقاضا اس وقت تک پورا نہیں ہوتا جب تک انسانوں سے محبت کا حق ادا نہ کیا جائے۔ گویا ہم کہہ سکتے ہیں کہ محبت ایک دوسرے کو امن و سلامتی دینے کا نام ہے۔ انسانی زندگی میں محبت کا جذبہ اپنے اظہار کے لحاظ سے مختلف خانوں میں بٹا ہوا ہے۔ جس میں والدین سے محبت' دوست احباب سے محبت وغیرہ شامل ہے لیکن محبت اپنی نوعیت کبھی نہیں بدلتی۔ یہ انسان کے لئے ہو یا خالق کائنات کے لئے اس کا نقطۂ آغاز ایک ہی ہوتا ہے اور یہ ایک ہی رُخ پر سفر کرتی ہے۔

انسان کو اپنی فطرت کے گھوڑے کو اقدار کے صراط مستقیم پر چلانے کے لئے چابک کی ضرورت ہے۔ جو شخص اس چابک کا استعمال کرتا ہے وہ ہی محبت کے لازوال مثبت نتائج کا فائدہ اٹھاتا ہے اور جو اس چابک کے بغیر شاہراہ زندگی پر فطرت کے گھوڑے پر بیٹھ کر سواری کرتا ہے وہ بے نام اور بے منزل راستوں پر چل کر اپنی انسانی صلاحیتوں اور روحانی مقاصد کو ضائع کر دیتا ہے۔ مگر محبت کے لازوال مظاہروں کے باوجود ہمہ گیر امن و سلامتی کا وجود نظر نہیں آتا۔ لیکن یہ بھی تو سوچئے کہ محبت کے یہ مظاہرے رشتوں کی محبت کے تو ہو سکتے ہیں۔ مثلاً" ماں باپ اور اولاد کی محبت' میاں بیوی کی محبت' بہن بھائیوں کی محبت۔ یہ سب بجا لیکن انسان سے انسان کی محبت' جب بھی قائم ہو گی جہاں کہیں بھی ہو گی رنگ لائے بغیر نہ رہ سکے گی۔ محبت کرنے والے دو انسان اگر ان کی محبت سچی ہے تو ایک دوسرے کے خلاف جرائم کا ارتکاب کر ہی نہیں سکتے۔ جرائم کی کشش کتنی ہی جاذب نظر کیوں نہ ہو محبت اس کی راہ میں رکاوٹ بن کر کھڑی ہو جاتی ہے۔ یقین نہ آئے تو کبھی آزما کر دیکھ لینا۔ ردا نے اپنا فیصلہ سنایا اور اُٹھ بیٹھی۔ زبیر اور مراد نے بھی گھر کی راہ لی۔

صبح جب وہ اٹھا تو اسکی طبیعت بالکل ہشاش بشاش تھی۔ اسکی آنکھیں چمک رہی تھیں اور اس کی روح سچے عزم سے سرشار تھی۔

ناشتہ کر کے اماں سے ڈھیر ساری دعائیں لے کر وہ ایک پرائیویٹ کمپنی میں انٹرویو دینے چل نکلا۔ اس نے بڑے اعتماد سے انٹرویو دیا۔ اسے یقین تھا کہ وہ سلیکٹ ہو جائے گا مگر نتیجہ اس کے برعکس نکلا۔ ایک دو ہفتے یونہی بیکار پڑے گزرتے رہنے کے بعد اس نے بے روزگاروں کو یقینی روزگار مہیا کرنے والے اداروں سے رابطہ کیا جنکے اشتہار ہر روز اخباروں میں چھپتے تھے۔ چند دن مزید انتظار کے بعد آخرکار اسے ادویات بنانے والی ایک کمپنی میں سیلز مینجر کی جاب مل گئی۔ وہ اس دن بہت خوش تھا۔ اس نے خوشی خوشی ردا کو بتایا تو اس نے بھی اسکی حوصلہ افزائی کی کہ جب تک رزلٹ نہیں آتا اسے یہ جاب کر لینی چاہئے۔

مراد نے دل لگا کر اپنی فرم کے لئے دن رات کام کیا اور یوں ایک ہی ماہ میں اس نے فرم کے مالکوں کو بے حد متاثر کیا۔ اسکی غیر معمولی ذہانت اور کام میں سنجیدگی نے فرم کو کافی فائدہ پہنچایا۔ ایک دن

کمپنی کے مالک حاجی میاں خان نے مراد کو اپنے آفس میں بلوایا۔ وہ نہایت چالاک اور جہاں دیدہ قسم کا آدمی تھا اور جانتا تھا کہ مراد جیسے معصوم اور خواب دیکھنے والے نوجوانوں کو اپنے مقاصد کیلئے استعمال کیسے کیا جاتا ہے۔ مراد جب اسکے پاس گیا تو وہ بغیر تمہید کے اس سے مخاطب ہوا۔ نوجوان ! تم نے جس طرح تھوڑی سی مدت میں فرم کیلئے اتنا اچھا کام کیا ہے قابل تعریف ہے۔ اس لئے ہم چاہتے ہیں کہ تم جیسے باصلاحیت نوجوان کو اسکے معیار کے مطابق Status دیا جائے۔ یہ ادویات کی کمپنی تو محض ایک دکھاوا ہے۔ پس پردہ یہاں پر ایسے کاروبار ہوتے ہیں جو ہیں تو غیر قانونی مگر اس میں پیسہ ہی پیسہ ہے۔ اگر تم زندگی میں ترقی کرنا چاہتے ہو تو ہمارے دروازے تمہارے لیے کھلے ہیں وہ تھوڑی دیر کے لئے رک کر مراد کا جائزہ لیتا رہا اور پھر بولا۔

دراصل میں نہیں چاہتا کہ تم جیسا ذہین آدمی در در کی ٹھوکریں کھائے اور تمام عمر ضروریات کے لئے ترستا رہے اگر تمہیں یہ پیشکش قبول ہو تو تم اپنے سارے خواب ایک ہفتہ میں پورے کر سکتے ہو۔ اس نے اور بھی بہت سی کاروباری باتیں مراد کو سمجھائیں اور اس کا فیصلہ پوچھا۔

مراد پریشان دکھائی دیتا تھا۔ جرائم کی دنیا میں قدم رکھنا اسے ایک مشکل فیصلہ لگتا تھا۔ آخر وہ یہ کہہ کر وہاں سے اٹھ آیا کہ سوچ کر جواب دے گا۔

اس شام کو جب وہ گھر لوٹا تو سخت پریشان تھا۔ اس ذہنی و قلبی کشمکش کو لئے وہ اپنے کمرے میں بند ہو گیا۔ اس کے دل میں اچھائی اور برائی کی جنگ جاری تھی۔

مراد تم ایک بزدل انسان ہو۔ تم کبھی بہادری سے کوئی فیصلہ کر ہی نہیں سکتے۔ قدرت تمہیں اوپر جانے کے لئے سیڑھی فراہم کر رہی ہے اور تم یہاں بیٹھے مصلحتوں کے چکر میں موقع ہاتھ سے گنوا رہے ہو۔ دل کے کسی کونے سے آواز آئی تو وہ اٹھ کر پلنگ پر بیٹھ گیا۔

لیکن یہ سیڑھی تو اس منزل کی طرف لے جاتی ہے جہاں پہنچ کر انسان روحانی موت مر جاتا ہے۔ وہ بڑبڑایا۔

تم بھی بے وقوف ہو۔ روحانی زندگی کو کس نے دیکھا ہے سب یہ دیکھتے ہیں کہ تمہاری زندگی کا سٹیٹس کیا ہے اور اس کی بناء پر انسان' انسان کی قدر کرتا ہے۔ تم نے پچھلے پورے مہینے کی محنت سے صرف چار ہزار روپے کمائے ہیں' جو چار دن میں ختم ہو گئے۔ جبکہ حاجی صاحب کی آفر قبول کرنے سے تم چار لمحوں میں زندگی کے سارے خواب خرید سکتے ہو۔ دل نے اُسے اکسایا۔ تو وہ خود سے مخاطب ہوا تم شاید ٹھیک کہتے ہو۔ اگر ایک بار میرے پاس ڈھیر سارا روپیہ آ جائے تو میں دھوم دھام سے اپنی بہن کی شادی کرونگا۔ سارا کو ایم بی اے کراؤنگا اور اویس کو ڈاکٹر بناؤں گا۔ میں ایک بڑا سا گھر خریدونگا۔ اسکی آنکھیں یک دم چمک اٹھیں کہ یک لخت ایک سوال ذہن میں ابھرا۔

مگر یہ سب اچانک امیر ہونے کی وجہ پوچھے گی تو کیا بتاؤ گے؟ وہ تو کہہ دے گی کہ محنت سے کمائی گئی حلال اور جائز دولت سے کبھی کوئی شخص دولتمند نہیں بن سکتا اگر ایسا ہوتا تو کسان دنیا میں سب سے زیادہ محنت کرتا ہے' مزدور دنیا بھر کے کام سنوارنے کے لئے دن رات کام کرتا ہے' مگر دونوں غربت کی چکی میں زندگی بھر پستے رہتے ہیں اور انہیں بنیادی ضروریات زندگی تک میسر نہیں آتیں۔ اس سے ایک بات تو واضح ہوئی کہ جو بھی دولت مند ہے وہ محنت

کی وجہ سے دولتمند نہیں ہے بلکہ محنت کش انسانوں کے حقوق غصب کر کے دولت اکٹھی کرتا ہے۔ تو کیا مراد تم بھی دوسروں کے حقوق پر ڈاکے ڈال کر دولت بناؤ گے۔ اسے لگا جیسے ردا قریب ہی کہیں کھڑی اس کی اندرونی کشمکش کا جواب دے رہی ہو۔

مراد کیلئے فیصلہ کرنا مشکل ہو رہا تھا وہ دل اور دماغ کے دلائل میں بری طرح پھنسا ہوا تھا۔ اسی لمحے اسے ردا کی بات یاد آئی کہ جو شخص اپنے نفس کی تربیت صحیح انسانی قدروں کے مطابق کرتا ہے وہ کبھی برائی نہیں کر سکتا۔ اب وہ یہ سوچ رہا تھا کہ وہ فطرتاً" نیک ہے یا بد۔ جب وہ سوچ سوچ کر تھک گیا تو اکتاہٹ سے بولا۔

لیکن میں خالی نیک فطرت کو لیکر کیا کرونگا جبکہ میری تمام عمر چھوٹی چھوٹی خواہشات کرنے اور انہیں حسرتوں اور محرومیوں میں بدلتے دیکھنے میں گزر جائے گی۔ وہ مطمئن پھر بھی نہ ہوا۔ کیا ہی اچھا ہو کہ کوئی ایسی دلیل مل جائے جس کی مدد سے حاجی صاحب کے ناجائز کاروبار میں شامل ہونے کی آفر جائز قرار پا جائے اور یوں وہ اپنی تمام مادی خواہشات پوری کر سکے۔ وہ اپنے ذہن میں اپنی مرضی تلاش کرنے لگا۔

اسے خیال آیا۔

دیکھو مراد تم کہتے ہو کہ تمہیں ردا جیسی باشعور لڑکی سے محبت ہے اور اس کے فلسفۂ محبت سے بھی تم کافی حد تک متفق ہو اور تمہارا الہامی قدروں پر بھی ایمان ہے تو پھر تم اتنے اہم فیصلے کے لئے اپنے اندر کی آواز کو کیوں زبردستی دبا رہے ہو۔

تم تو انسانوں سے محبت کے دعویدار ہو پھر چند آسائشوں کیخاطر انسانیت کاگلا کیوں گھونٹتے جا رہے ہو۔

مراد دیر تک منطقی دلائل اور انسانی قدروں پر غور کرتا رہا اور آخر اس نے اس کشمکش سے نجات حاصل کر ہی لی۔ اس رات وہ بڑا مطمئن سویا۔

آنے والی صبح یقیناً ایک نئی صبح تھی وہ ایک پرعزم انسان دکھائی دے رہا تھا جس کی آنکھیں سچائی کی روشنی سے چمک رہی تھی اور جس کی روح نیکی کی خوشبو سے مہک رہی تھی۔ وہ خوش خوش یہ بتانے ردا کی طرف چل پڑا کہ اس کا فلسفۂ محبت نہ صرف نظریاتی طور پر درست ہے بلکہ عملی زندگی میں بھی یہ ایک کائناتی حقیقت کی طرح درست ثابت ہو۔

ماہنامہ طلوع اسلام کے پرانے شمارے

خوبصورت اور پائیدار جلدوں میں محفوظ ماہنامہ طلوع اسلام کی سال 1967 - 70 - 72 - 73 - 75 - 76 - 77 - 78 - 84 - 85 - 86 - 87 - 88 - 91 اور 95 کی جلدیں 100 روپے فی جلد کے حساب سے فروخت کیلئے موجود ہیں۔ اپنی فرمائش سے مطلع فرمائیں۔

سرکولیشن مینجر

بسم اللہ الرحمن الرحیم ○

حقائق و عبر

1- سانپ اور سیاستدان۔

پاکستانی سیاستدانوں نے گزشتہ پچاس سالوں میں جو گھناؤنا کردار ادا کیا ہے' جس طرح چوروں لٹیروں کی طرح عوام کو لوٹا ہے' رسہ گیروں کی طرح ڈاکے ڈالے ہیں اور اپنے ذاتی مفادات کے لئے عوام پر جو جو مظالم ڈھائے اور مکروفریب سے کام لئے ہیں' اس کی وجہ سے سیاستدانوں کا امیج بری طرح مجروح ہوا ہے۔ سیاستدانوں کو ان کے مکروہ کردار کے ردعمل میں عوام بھی انہیں تحقیر آمیز ناموں اور خطابات سے نوازتے ہیں۔

عوام کی ترجمانی کرتے ہوئے اکتوبر 1996ء میں ملی سطح کی ایک غیر سرکاری این جی او (NGO) نے ڈاک ٹکٹوں پر سانپوں کی چھپنے والی تصاویر کے حوالے سے ایک ملک گیر سروے کرایا تھا۔ یہ سروے درج ذیل اخباری اشتہار کے ذریعے سے کرایا گیا۔

اشتہار میں دیئے گئے اس سوال کے جواب میں کہ "ان سانپوں کو دیکھ کر کس قومی راہنما کی تصویر آپ کے ذہن میں آتی ہے "مذکورہ (NGO) کو' بقول ان کے' 534 آراء موصول ہوئیں۔

ان سب کا تجزیہ تو ان صفحات میں ہمارے لئے ممکن نہیں تاہم نمونہ مشتے از خروارے ایک جواب' قارئین طلوع اسلام کے لئے حاضر ہے۔

جواب :- "ان سانپوں کو دیکھ کر کسی قومی رہنما کی تصویر ذہن میں نہیں آتی۔ انسان کو فرشتوں کے سجدے کا شرف حاصل تھا مگر آج اپنے کرتوتوں کے باعث اس حالت کو پہنچ گیا ہے کہ حیوانیت بھی ماتم کر رہی ہے۔ سیاستدانوں کی تصاویر دکھا کر سانپوں سے پوچھا جاتا کہ آپ کو ان تصاویر میں کن قومی سانپوں کی شکل نظر آتی ہے تو ان کا جواب ہوتا کہ اتنے مکار' دھوکے باز' عیار سانپ ہم میں نہیں پائے جاتے۔"

بشکریہ۔ ماہنامہ بیدار ڈائجسٹ لاہور
بابت جنوری 1997ء

○○○○ ○○○○ ○○○○

2- خیال اپنا اپنا۔

اِدھر: مرکز الدعوۃ الارشاد کی' ٹی وی توڑ مہم کا سکور 373 تک پہنچ گیا

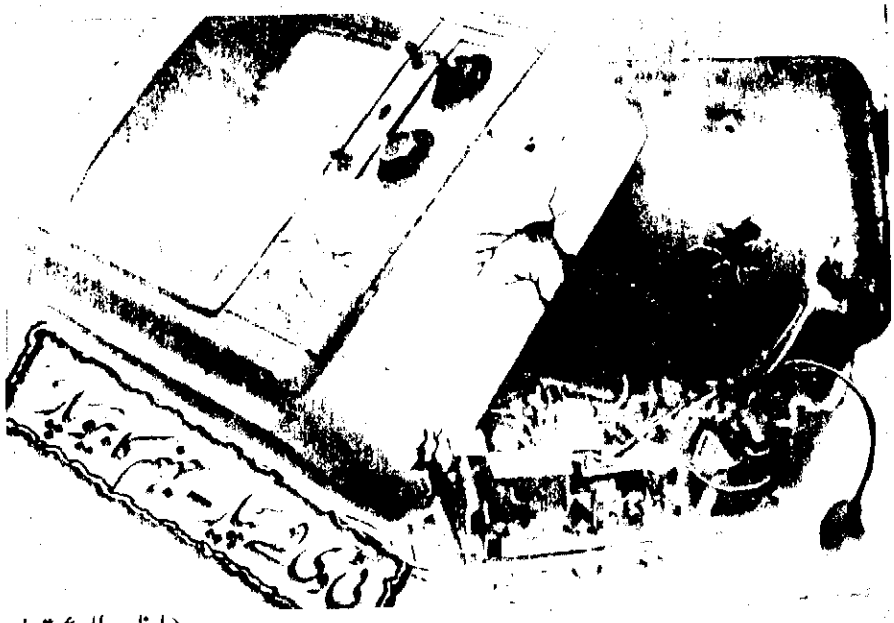

(ماہنامہ الدعوۃ بابت جنوری 97ء)

اُدھر: ناروے میں مقیم مٹھی بھر مسلمانوں نے ناروے کی غیر مسلم حکومت کو اوسلو ٹیلی ویژن پر ایک گھنٹے کے لئے ہفتہ واری درس قرآن نشر کرنے پر آمادہ کر لیا۔

(طلوع اسلام)

○○○○ ○○○○ ○○○○

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ملک حنیف وجدانی

اسلامی جمہوریہ پاکستان کے 50 سال

(قسط اول)

1- تعلیمی شعور - تحقیق اور قرآن:

آزادی سے بہت پہلے ایک مخصوص نظام تعلیم نے ہماری درس گاہوں کو خوئے غلامی اور تقلید کی دھیمی آنچ میں پختہ کیا اس سحر انگریزی کا باوا آدم "لارڈ میکالے" تھا جس کا لچر عزم یوں سامنے آیا کہ

"ہم فی الحال اپنے محدود ذرائع کے ساتھ تو سب لوگوں کی تعلیم کا بندوبست نہیں کر سکتے۔ ہمیں اس وقت صرف ایسا طبقہ پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہئے جو ہمارے ان کروڑوں انسانوں کے درمیان ترجمانی کے فرائض سرانجام دے سکے جن پر ہم حکمران ہیں۔ ایک ایسا طبقہ جو خون اور رنگ کے اعتبار سے ہندوستانی ہو مگر ذوق، طرز عمل، اخلاق اور فہم و فراست کے نقطہ نظر سے انگریز ہو"

(بشکریہ جنگ)

اس نظام تعلیم کے خوگر نوجوانوں کو علامہ اقبالؒ نے درس خودی سے خود شناسی، بیداری اور شاہینی و شیری کے آداب سکھائے۔ وہ خود فرماتے ہیں۔

تڑپ رہے ہیں فضا ہائے نیلگوں کے لئے
وہ پر شکستہ کہ صحن صحرا میں تھے خورسند

(اقبالؒ)

قائداعظم علیہ الرحمتہ نے ان نوجوانوں کو منظم کیا۔ اوردرس آزادی سے ان کے رگ و پے میں خون زندگی دوڑا دیا۔ اور آخرکار بفضل اللہ تعالیٰ ہم 14 اگست 1947ء کو پاکستان بنانے میں کامیاب ہو گئے۔

قیام پاکستان کے وقت تعلیمی اوسط صرف بارہ فیصد تھی اور ملک میں صرف دو یونیورسٹیاں تھیں۔ جبکہ آج 49 سال بعد تعلیمی اوسط 36.8 فیصد ہے اور یونیورسٹوں کی تعداد 28 تک جا چکی ہے اور تحقیق کا معیار ملاحظہ ہو کہ

"اگر پوسٹ گریجویٹ ریسرچ کا شعبہ دیکھیں تو ہمارے یہاں پورے سال میں 30 یا 40 پی ایچ ڈی ڈگریاں دی جاتی ہیں۔ اس کے برعکس صرف بھارت میں 3 ہزار سے 4 ہزار تک سالانہ پی ایچ ڈی ہوتے ہیں۔ بھارت ہم سے آبادی میں دس گنا ہے۔ لیکن پوسٹ گریجویٹ ریسرچ میں سو گنا کا فرق ہے"۔

(آزادی نمبر 96 جنگ)

اب ہم ان وجوہات کا سراغ لگانا چاہتے ہیں۔ جو خواندگی میں مجرمانہ غفلت کا باعث بنیں۔ اور ہماری خواندگی صرف 36.8 فیصد تک پہنچ سکی۔ اس بارے میں ملک کے ممتاز ماہر اقتصادیات محترم ڈاکٹر محبوب الحق صاحب فرماتے ہیں۔

"میں نے بطور وزیر خزانہ تعلیم کے فروغ کے لئے درآمدات پر اقراء سرچارج پانچ فیصد لگایا تھا۔ جس سے اب تک حکومت 8000 کروڑ روپے یعنی 80 ارب روپے حاصل کر چکی ہے ستم یہ ہے کہ حکومت نے یہ 80 ارب روپے تعلیم کی ترقی کیلئے خصوصی طور پر مختص نہیں کئے، جس کا ہم نے پارلیمنٹ کے ذریعے ملکی عوام سے وعدہ کیا تھا۔ حکومت یہ 8000 کروڑ روپے تعلیم پر خرچ کرتی تو آج پاکستان میں شرح خواندگی 70 فیصد سے زائد ہوتی"

(جنگ آزادی نمبر96)

اگر اتنی خطیر رقم سے شرح خواندگی میں اضافہ کیا جاتا۔ تو اس کا لازمی نتیجہ یہ بھی ہوتا کہ نئی یونیورسٹیاں قائم کی جاتیں۔ جاپان ایک چھوٹا سا ملک

ہے لیکن اس میں یونیورسٹیوں کی تعداد 1000 ہے۔ اور تحقیقی کام میں بھی وہ ہم سے کئی گنا زیادہ اور اہم ترین تحقیقات میں مصروف ہیں۔ جن کے عملی نتائج سے جاپان کی ترقی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ جو جدید ٹیکنالوجی میں مثالی حیثیت رکھتا ہے۔

خواندگی یوں ایک ذریعہ ہے معاشرے کی قرآنی اقدار حیات کی طرف راہنمائی کرنے کا۔ اگر یہ مقصد حیات حاصل نہ ہو تو انسان اور حیوان کی زندگی میں کوئی فرق نہیں رہتا۔

بی اے کیا' نوکر ہوئے' پنشن ملی اور مر گئے

جناب علی محمد چدھڑ صاحب اگست 96ء کے طلوع اسلام میں لکھتے ہیں۔

"قرآن ہمیں بتاتا ہے کہ جب تک انسان علم حاصل نہ کرے وہ انسانی زندگی گزار نہیں سکتا۔ حیوانی سطح پر ہی رہتا ہے۔ جو قومیں زمانے کے تقاضوں کے مطابق عملی تحقیق کرتی ہیں اور پھر اس کے ذریعہ تسخیر کائنات کر کے اس کے ماحصل کو نظامِ خداوندی کے کے لئے وقف کردیتی ہیں وہ دنیا اور آخرت دونوں کی خوشگواریوں کی حقدار ہو جاتی ہیں"

اس ضمن میں محترم پرویزؒ صاحب کے الفاظ ہیں: "مردِ مومن کی زندگی کا اہم نقشہ جو علم کے فریضہ کے بعد اس کا نصب العین بن جاتا ہے کہ مردِ مومنؑ خودی - انا۔ (Personality) کے اثبات سے اپنا ایمانی جذبۂ محرکہ دوسروں کے لئے وقف کردیتا ہے اور پھر موت سے بھی نہیں ڈرتا۔"

"انسان کی تکمیل کا آخری نقطہ اس کی موت نہیں" مفہوم القران صفحہ 551

"جو لوگ حق و صداقت کی خاطر جینا اور مرنا چاہیں ان کے اس جذبۂ صادقہ کو صحیح مصرف میں لایا جائے" صفحہ 965

"صفات خداوندی کو (علیٰ حدِّ بشریت) اپنی ذات میں منعکس کرتے جاؤ یہی اس دنیا میں زندگی کا منتہا ہے" صفحہ 1321

2- **تعلیم اور اردو :** ایک طرف جہاں خواندگی میں ہماری پستی باعث عبرت ہے۔ وہاں ہم نے تعلیم کا ذریعہ اردو کی بجائے انگریزی اپنایا' جو بڑی رکاوٹ ثابت ہوا۔ محترم ڈاکٹر عطاء الرحمن صاحب (ستارہ امتیاز) فرماتے ہیں۔

"اگر آپ اپنے بچوں کو سائنس سے زیادہ سے زیادہ روشناس کرانا چاہتے ہیں' تو اس کے لئے مادری زبان میں کتابیں ناگزیر ہیں۔ ہمیں اردو میں معیاری تعلیم کی اشد ضرورت ہے۔

ہمیں مختلف شعبوں میں اچھی کتابوں کا ترجمہ کرنے کیلئے فعال ادارے قائم کرنے ہونگے" (جنگ)

اور جناب ڈاکٹر جمیل جالبی صاحب (ہلال امتیاز) اس پر یوں روشنی ڈالتے ہیں کہ

"اجنبی زبان کو ذریعہ بنانا پوری قوم کے ساتھ دشمنی ہے۔ یہ اس بات کی علامت ہے کہ ہمارا برسر اقتدار طبقہ تعلیم کو عام کرنے' پھیلانے اور شرح خواندگی کو سو فیصد تک پہنچانے میں کوئی دلچسپی نہیں رکھتا"۔ (جنگ)

انگریزی زبان بطور ذریعہ تعلیم نے جہاں خواندگی کو متاثر کیا' وہاں اس کے ذریعہ تہذیبِ مغرب کا کلچر بھی عام ہو گیا۔ اس پر روشنی ڈالتے ہوئے جناب حکیم محمد سعید صاحب (ستارہ امتیاز) فرماتے ہیں۔

"تعلیم کے میدان میں ترقی کی راہ میں رکاوٹ کا سب سے بڑا ادارہ فکرِ مغرب ہے اور صاف بات سننی ہے تو میں کہوں گا "فکرِ یہود' فکرِ ہنود اور فکرِ

نصاریٰ" یہ وہ ادارہ ہے جس نے ہر انداز سے پاکستان کو نافع تعلیم سے خارج رکھا ہے اور اپنے نظریات کو نصابِ تعلیم میں داخل کیا ہے"۔

حکیم صاحب فرماتے ہیں۔

"غلط نصاب تعلیم نے پوری ملت کو بے غیرت بنا دیا ہے' بے شرم بنا دیا ہے' بے حیا بنا دیا ہے' اسے فاقہ کش بنا کر رکھ دیا ہے" (جنگ)

3- قرآنک ریسرچ اور اردو:

علامہ اقبال رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا تھا۔

گر تو می خواہی مسلمان زیستن
نیست ممکن جز بقرآں زیستن

قرآنِ کریم عربی زبان میں ہے لہٰذا جب تک اُردو زبان میں قرآنک ریسرچ نہ ہو ہمارا کم علم تعلیم یافتہ طبقہ اس سے مستفید نہیں ہو سکتا۔ محترم پرویز صاحب اس کی اہم بنیاد رکھ گئے اور آج اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ پی ایچ ڈی برائے قرآنک ریسرچ کے لئے اردو زبان کام میں لائی جائے۔ تعلیم معاشیات' سیاسیات' اخلاقیات بلکہ جہاد تک میں قرآنک ریسرچ کا آغاز کیا جائے۔ یہی سب سے بڑی متاعِ زندگی اور نوجوانوں کا سرمایۂ حیات ہو گا۔

4- معاشیات و اقتصادیات:

اہلِ پاکستان اپنی افرادی قوت کو استعمال کرنے کے لئے کوئی منصوبہ بندی نہیں کر سکے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہم دوسروں کے قرض تلے دبے ہیں اور 49 سال بعد بھی حالت یہ ہے کہ ہم پیاز' آلو' چینی اور گندم تک باہر سے منگوا رہے ہیں۔ اس کے برعکس آبادی میں تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے اعداد و شمار ملاحظہ فرمائیں۔

1 آزادی کے وقت شرح پیدائش 1.8 فیصد تھی جو اب 49 سال بعد 3 فیصد تک جا پہنچی ہے۔

2 بچوں کی شرح اموات جو آزادی کے وقت 133 فی ہزار تھی اب گھٹ کر 101 رہ گئی ہے یعنی فی الحال نژاد نو کے ضیاع میں ہم کافی آگے ہیں۔

3 قیام پاکستان کے وقت فی کس اوسط آمدنی 80 ڈالر تھی جو کہ آج بڑھ کر 470 ڈالر تک پہنچ گئی ہے۔

آبادی میں یہ اضافہ اور فی کس آمدنی کا تخمینہ کوئی ایسا جادو نہیں جس سے غریب طبقہ کی خوشحالی عیاں ہو۔ یہ اوسط کاغذی حساب کتاب یوں سمجھا جا سکتا ہے کہ

I 60ء کے عشرے میں 22 خاندانوں نے شہرت پائی۔ غریب اور امیر گھرانے میں فاصلہ سات گنا بڑھ گیا۔

II 70ء کے عشرے میں پاکستان ہیوی انڈسٹریلائزیشن میں داخل ہوا۔ اسٹیل ملز' ہیوی میکینکل کمپلیکس' تربیلا ڈیم پلان' اٹامک انرجی کے پروجیکٹ بنے۔ جن سے قوم نے آج تک مستقل فائدہ حاصل کیا۔

III 80ء کے عشرے میں غیر ملکی امداد کی ریل پیل ہوئی۔ لیکن بہتر منصوبہ بندی نہ ہونے کی وجہ سے کچھ بھی حاصل نہ ہوا۔ اور سرکاری قرضے 150 بلین سے بڑھ کر 710 بلین تک جا پہنچے۔

اس صورتحال کا نتیجہ یہ ہے کہ ہر پیدا ہونے والا بچہ 13 ہزار کا قرضہ سر پر اٹھائے دنیا میں آتا ہے۔

ترقی کے لئے بجلی کی قوت اور روشنی بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔ اگر اس پر نظر ڈالی جائے تو آزادی کے وقت بجلی کی پیداوار 70 میگاواٹ تھی جو

آج 13 ہزار میگاواٹ ہے۔ آج بھی بیشتر دیہات بجلی سے محروم ہیں اور لوگ شہروں کی طرف آ کر نئے مسائل پیدا کر رہے ہیں۔ اگر اہل دیہات کو بجلی مل جائے تو وہ خود نئی ترقیات میں اہم کردار ادا کر سکتے ہیں۔

دیگر اقوام بچت کر کے اپنی بچت کو صنعتی ترقی اور زراعت میں صرف کرتی ہیں۔ آزادی کے وقت بچت میں ہماری شرح 10 فیصد تھی جو کہ آج 49 سال بعد صرف 14 فیصد تک جا سکی ہے۔ جبکہ بچتوں کی شرح بھارت میں 20 فیصد اور ملائیشیا میں 30 فیصد ہے۔

معاشرے کو منظم کر کے بچت کا عادی بنانے پر کبھی توجہ نہیں دی گئی۔ لوگ اپنی ملازمت کی ساری کمائی تعمیر مکانات پر لگا دیتے ہیں۔ اہل جاپان جھونپڑیوں میں رہتے ہیں اور اپنی بچت صنعت میں لگا رہے ہیں۔ بچت کی محلہ وار کمیٹیاں بنانے کی ضرورت ہے اور اس بچت کو ان کے اجتماعی کاموں میں اس ضمانت پر لگایا جائے کہ انہیں سرکاری امداد بھی دی جائے گی۔

قرآنی معاشیات:

سرمایہ دارانہ اور جاگیردارانہ نظام کو باقی رکھتے ہوئے جتنے بھی گر استعمال کئے جائیں، جتنے حسن تدبر کو بروئے کار لایا جائے، اسلام کا لایا ہوا انقلاب یوں اپنے آثار پیدا نہیں کر سکتا۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ موجودہ معاشرے کو بتدریج قرآنی معاشیات کی طرف لایا جائے۔

1 زمین کو انفرادی ملکیت سے نکال کر بطور امانت (بطور ملکیت نہیں) مملکت کی تحویل میں دیا جائے۔ جو کاشتکاروں کو کاشت کے لئے دے۔ یوں جب موجودہ جاگیردارانہ نظام ختم ہو جائے گا تو کاشت کار میں ایک جذبۂ محرکہ بیدار ہو گا۔ وہ اپنے لئے اور ملک و قوم کے لئے زیادہ محنت سے کام کرے گا، کیونکہ اس وقت اس کا غاصب مالک اراضی رخصت ہو چکا ہو گا۔ اے کاش! اس کی ابتداء گولڈن جوبلی پاکستان پر کر دی جائے۔

2 سودی نظام کو قرآن کریم کی روشنی میں ختم کر دیا جائے۔ اس نظام کی جڑیں اس قدر گہری ہو چکی ہیں کہ اس کو ختم کرنے سے پورا معاشرہ متزلزل ہو گا۔ لیکن ہونا چاہئے۔ غاصبوں کو بھی یوم حساب کا سامنا کرنا چاہئے۔ سودی نظام کو ختم کئے بغیر محنت کا احترام بڑائی کا رتبہ حاصل نہیں کر سکتا۔ سودی نظام کے خاتمہ پر غریب خوش اور امیر ناراض ہو گا۔ آخر ایک دن تو ایسا آنا ہی چاہئے۔ انشاء اللہ۔

3- سودی نظام کا متبادل معاشی نظام' نظام ربوبیت ہے۔ اس کا مکمل اور جامع خاکہ محترم پرویز صاحب نے اپنی شہرہ آفاق کتاب "نظام ربوبیت" میں پیش کیا ہے۔ اس کو پاکستان میں آزمایا جائے کیونکہ باقی سب کچھ ناکام ہو کر ملک کو مقروض اور گداگر بنا چکا ہے۔

(جاری ہے)

زر شرکت سال 1997ء

ایشیاء اور یورپ کیلئے _____ 600 روپے
کینڈا امریکہ اور آسٹریلیا کیلئے _____ 800 روپے

اندرون ملک 170 روپے

رقوم بذریعہ منی آرڈر یا بنک ڈرافٹ ارسال فرمائیں۔ لاہور کے علاوہ چیک ہو تو 40 روپے بنک چارجز کا اضافہ فرمالیں۔

پاکستان میں

علامہ غلام احمد پرویزؒ

کا درس قرآن کریم مندرجہ ذیل مقامات پر ہوتا ہے

شہر	مقام	دن	وقت
1- ایبٹ آباد	234 کے۔ ایل کیہال۔ رابطہ : گل بہار صاحبہ	بروز منگل	4 بجے شام
2- ایبٹ آباد	234 کے۔ ایل کیہال۔ رابطہ : شیخ صلاح الدین	ہر روز	عند الطلب
3- اوکاڑہ	60 - خان کالونی - فیصل آباد روڈ رابطہ : رانا ندیم سہیل (ایڈووکیٹ) فون:511010	دوسرا اور چوتھا جمعہ	4 بجے شام
4- بورے والا	برمکان محمد اسلم صابر۔ مرضی پورہ گلی نمبر5۔ رابطہ فون:55438	پہلا اور تیسرا جمعہ	10 بجے صبح
5- پشاور	دفتر جناب عبداللہ ثانی صاحب ایڈووکیٹ۔ کابلی بازار۔ رابطہ :840945	ہر بدھ و جمعہ	5 بجے شام
6- پشاور	برمکان ابن امین فقیر آباد	جمعۃ المبارک	4 بجے شام
7- پیر محل	مکان نمبر139/140- مدینہ پارک	ہر ماہ پہلا جمعہ	9 بجے صبح
8- پنج کسی	برمطب حکیم احمد دین	جمعۃ المبارک	3 بجے سہ پہر
9- جہلم	برمکان محترم قمر پرویز مجاہد آباد' جی۔ ٹی روڈ القلم سکول چک جمال روڈ۔ کلا گجراں	جمعۃ المبارک مہینے کا آخری جمعہ	4.30 بجے شام 9 بجے صبح
10- جلالپور جٹاں	یونائیٹڈ مسلم ہسپتال	جمعرات	10 بجے صبح
11- چنیوٹ	ڈیرہ میاں احسان الٰہی کونسلر بلدیہ پیر بخش بازار	جمعۃ المبارک	بعد نماز جمعہ
12- چک 215 ای۔ بی	برمکان چوہدری عبدالحمید	جمعۃ المبارک	8 بجے صبح
14- حیدر آباد	B-12 قاسم آباد بالمقابل نسیم نگر	جمعۃ المبارک	بعد نماز عصر
15- راولپنڈی	بمقام 4385/47-E اپر سٹوری ہائی وے آٹوز نزد پل لئی گوالمنڈی راولپنڈی فون: 74752	جمعۃ المبارک	4.30 بجے شام
16- سرگودھا	60- اے سول لائنز' ریلوے روڈ۔ رابطہ فون:720083	جمعۃ المبارک	9 بجے صبح
17- فیصل آباد	23- سی پیپلز کالونی (نزد تیزاب مل) رابطہ : ڈاکٹر محمد حیات ملک۔ فون:720096	ہر جمعۃ المبارک	3.30 بجے دوپہر

شہر	مقام	دن	وقت
18- کراچی	کراچی سی بریز' روم نمبر105 شارع فیصل رابطہ شفیق خالد- فون: 0201-713575	جمعۃ المبارک	4 بجے شام
19- کراچی	مکان 16 گلشن مارکیٹ' C/36 ایریا کورنگی 5 رابطہ: محمد سرور' فون: 312631	جمعۃ المبارک بروز پیر	11.30 بجے صبح بعد نماز مغرب
20- کراچی صدر	فاروق ہوٹل ہال- ایاز حسین انصاری رابطہ فون: 4571919	جمعۃ المبارک	10 بجے صبح
21- کوہاٹ	برمکان شیر محمد' نزد جناح لائبریری	جمعۃ المبارک	8 بجے صبح
22- کوئٹہ	صابر ہومیو فارمیسی توغی روڈ- رابطہ فون: 825736	جمعۃ المبارک	4 بجے سپہر
23- گوجرانوالہ	شوکت نرسری گل روڈ' سول لائنز	جمعۃ المبارک	بعد از نماز جمعہ
24- گجرات	مرزا ہسپتال' کچہری روڈ	جمعرات	3 بجے
25- گھوئینکے (سیالکوٹ)	برمکان محمد حسین گھمن	ہر ماہ پہلا جمعہ	بعد نماز جمعہ
26- لاہور	25- بی گلبرگ II (نزد مین مارکیٹ)	جمعۃ المبارک	9-30 بجے صبح
27- لاہور I	ڈان ماڈل سکول' احباب کوآپریٹو سوسائٹی جوہر ٹاؤن لاہور	جمعرات	11 بجے قبل دوپہر
28- لاڑکانہ	مکان نمبر1582/83 عیدگاہ روڈ محلہ جاڑن شاہ	جمعۃ المبارک	بعد نماز ظہر
29- ملتان	شاہ سنز بیرون پاک گیٹ	جمعۃ المبارک	10 بجے صبح
30- مامون کانجن	برمکان ڈاکٹر (ہومیو) محمد اقبال عامر چک 509 گ ب رابطہ فون: 3660	جمعۃ المبارک	بعد نماز جمعہ
31- رانی پور	اوطاق ڈاکٹر سلیم سومرو سومرو محلہ رابطہ شفیع محمد سومرو	جمعۃ المبارک	بعد نماز عشاء
32- واہ کینٹ	برمکان محمد اکرم خان 21-FC/231	بروز بدھ	چھ بجے شام

علامہ غلام احمد پرویزؒ کی جملہ تصانیف اور ماہنامہ طلوع اسلام کا تازہ شمارہ بھی دستیاب ہے- تحریک طلوع اسلام سے متعلق استفسارات مندرجہ بالا مقامات پر موجود کارکنان تحریک کے حوالہ کیجئے- جواب ادارہ سے براہ راست دیا جائیگا-

HIS LAST WISH

by

Miss Shamim Anwar

It was February 22,1985. Having completed my teaching schedule for the day in the College, I took the mini bus to the Main Market Gulberg, from where I walked down to 25-B Gulberg. This had been my daily routine, rather I was just drawn in that direction and it couldn't be otherwise. Parwez Sahib was convalescing from his surgery and we were all hoping for the best, seeing him back at his desk, his pen moving formidably in the service of humanity. We imagined him sitting there again totally absorbed in his earth-shaking research on the Quranic text, his eyes looking into the unknown tomorrow, the eyes of a seer that have read and read, always deep in thought, which sometimes flashed with a vision of a human society where there was no insecurity and worry, a society that moved onwards and upwards in human happiness and integration of the human SELF. Now, eyes such as these, on a wonderfully expressive and mobile face often lighted up with a spontaneous outburst of laughter. I cherished this laughter, for it brightened the world around. Every thing seemed to laugh when he laughed.

Yes ! He had to be back at his desk. But little did we know that we would soon have to say good-bye to him for ever. To my everlasting sorrow that day on February 22 was to be my last meeting with my teacher and mentor. When I reached there, I was soon joined by the late Souraya Andaleeb and her bright daughter Saleha Naghmi. We all chatted as usual, inquiring after his health when Parwez Sahib

came up with a strange statement apparently so unlike him. He said ``All my work, all my writings have gone waste``. Having said this, he shook with emotions and became tearful. Absolutely shaken myself, I blurted: " How can you say such a thing ? How can your books of such great and high calibre ever go waste ? Could you please explain what you mean when you say this ?" He then briefly elaborated his statement as follows: " My writings are in Urdu, a language that is read and understood by a very limited section of the world population, and what is more, it is a section which is not yet fully ready for the Message. I need a bigger, a more universal audience and readership and that can be approached only through the English Language" (my translation of the conversation).

We were aware that he was already working on this project. Apart from his " Islam - A Challenge to Religion", he was working on his " Mafhumal Quran". Indeed, he had a point and we remarked that there is no reason why the project cannot be given a greater momentum. But perhaps he had a premonition that he is not going to live, hence his sense of frustration.

I went back to college, remunerating over his concern. The following evening when I came over again as of norm, he had been taken to hospital. On February 24, he breathed his last.

Like a coward I do not wish to re-live that grief, but by translating his books his concern can be met, and our grief pacified to an extent.

oooooooooooOOOOOOOOOOOOOooooooooooo

ضروری اعلان

مجلّہ طلوع اسلام آئندہ ہر ماہ کی 25 تاریخ کو سپرد ڈاک کر دیا جائیگا۔ بزموں اور دکانداروں کیلئے 5 روپے فی پرچہ کے حساب سے معقول کمشن پیش کیا جاتا ہے۔ بزموں سے التماس ہے کہ وہ مقامی بک سیلرز اور نیوز ایجنسیوں سے آرڈر حاصل کر کے پرچے کی اشاعت بڑھانے میں معاونت فرمائیں۔

چیئرمین ادارہ

Another Beginning !

According to the Quran, Islam is not a Religion in the Conventional sense (a Private relationship between man and his God), but a ***DEEN***, a way of life, a Socio-economic System. Quran was revealed as the final and all-encompassing guidance for mankind from the Creator of the Universe, to the last of his messengers, the exalted person of Muhammad, Rasool-Allah, and the responsibility of its safe-guard (against human interpolation and extraneous accidents) was taken upon by Allah, the Almighty, Himself.

With the advent of rendering the written works of Allama Ghulam Ahmad Perwez into English, many books are under translation, of which the English Translation of the most famous Book ***"SHAHKAR--E-RISALAT"*** has just been completed by Mr. Muhammad Omar Draz, a devout student of Allama Parwez. We present to the readers the foreword of this book which indicates the importance and necessity of this book. Editor

Rasool-Allah trained and nurtured a group of Momineen (believers) and with their association and under Allah's Directives, established the system of Deen, in which man was guaranteed complete freedom and satisfying means of nurture, and his companions expanded this system to almost every corner of the then known world; humanity at large benefited from it and the man regained his lost paradise.

The two most affected by Islam's expansion were the Persian and the Roman empires; Romans mostly stuck to their religion, but Persians accepted Islam en-mass. Since their centuries old civilization had been demolished by Muslims, the Persian intelligentsia could not reconcile with it, and ignoring the splendour and dignity it had brought to humanity, hatched a conspiracy against (i) the Islamic Dominion and (ii) the basic teachings of the Quran, and eventually turned this life-infusing

system into our present day Islam (which has been reduced to a set of rituals for personal salvation if that were ever possible). Allama Iqbal has called this "The Persian (Ajmi) Conspiracy".

In the entire history of the Muslims, nobody ever under took to analyse and expose this conspiracy and present to the Muslim Ummah the real causes of its degeneration, ***Allama Ghulam Ahmad Parwez***, a philosopher student of the Quran took up this arduous task and explored hundreds of thousands of pages of the entire Muslim historical narrations and adjudged every thing he found in there on the touchstone of the Quran. The results of his life-long research have been presented in his celebrated book ***"Shahkar-e-Risalat"*** (The master piece of Rasool Allah, ***Omar Farooq***)

Preface to this book, under the title "Passage of thought" deals with (i) how ***Allama Parwez*** reached the conclusion that our prevalent Islam is not what the exalted person ***Rasool-Allah*** gave to the world and (ii) the stages of thought evolution he himself had to pass through to come to this conclusion.

The last chapter of the book, under the title "The Revenge", is a synopsis of what happened to true Islam revealed to ***Rasool-Allah*** and which was first established in Arabia at the hands of the ***Rasool*** and his companions and how was it converted into the prevalent Islam. This chapter is, in fact, a summation of the "Persian intrigues".

The book ***"Shahkar-e-Risalat"*** is in Urdu language, and though greatly applauded by the Urdu readers, it could not benefit English speaking People, (which forms a sizable portion of the Muslim Ummah as well as the Westerns).

It has therefore been considered necessary by Tolu-e-Islam Trust that this extremely important and thought provoking book should be translated into, at least, the English language, to expand the sphere of its usefulness.

As a first step, the preface and last chapter of this book are being presented in English so that, to start with, the English readership is introduced to this great Muslim thinker and at the same time they can get acquainted with the true picture of the Islam as well as the synopsis of the Persian intrigues against it. The complete book (which is under translation) will also be presented in English in due course, *Insha - Allah.*

AN IMPORTANT EXPLANATION

" One explanation has to be vividly made. It has been stated earlier that outset of this distortion started from Iran and as much of un-Islamic beliefs that came in, were all borrowed from the old Iranian religion of the Zoroastrians. This however does, in no way mean, that we blame the present day Iranians for them- Not at all, the people responsible for this distortion are Iranians of that era and they are all a tale of the past now; as such any verdict of the history that befalls them, the Iranians who followed them or, so to say the present day Iranians cannot be held responsible in any way. So whatever has been said about Iran in the pages to follow, shall pertain to Iranians of that era. This should be kept well in mind throughout."

oooooooooOOOOOOOOOOOOOOOOoooooooooo

Attention Please !!!!

Superiority of one sex over another is a peculiar factor in the history of human beings; it is unknown among animals and birds. This fact in itself is enough to lower the estimation of human existence. Furthermore, it is noteworthy that the superiority is claimed on the basis of sheer accident of birth, for, after all, women were not given the chance to choose their sex. In other words, women are looked down upon for a crime they never committed.

The situation is tragic enough. What accentuates the tragedy is that the subjugation of women is justified and rationalised in the name of Islam. This means gagging of all criticism.

The need of the hour is to bring about the true position of the woman in the Quranic Social Order. This is the object of this booklet.

WOMAN RECREATED

by

Miss Shamim Anwar

And help create then a new creation

Price Rs.80.00 + Packing & Postage

TOLU-E-ISLAM TRUST - 25B, Gulberg 2, Lahore (Pakistan)
Phone 5764484/876219: Fax 5764484: Postal Code 54660

DARS-E-QURAN (ABROAD)

(Recorded Lectures of Allama Parwez (r))

BOOKS AND MAGAZINE TOLU-E-ISLAM ARE ALSO AVAILABLE AT THE FOLLOWING PLACES.

1.	**CANADA** 716 The West Mall,Suit 1804 Etobicoke, ONT (416) 620-4471	First Sun 11AM
2.	**DENMARK** Mr. M.Afzal Khilji, Gammel Kongevej 47,3.th., 1610 Kobenhavn V	Last Sat 1900 Hrs
	Kuwait Flat No. 6, Floor No. 3 Taher Bu Hamad Building Oppsite Al-Othman Mosque, Hawally, Kuwait	Friday 9:30 AM
4.	**NORWAY** Galgeberg, 4th floor Trosvik Snippen.3 1610. Fredrikstad	1st Sun 4.PM Sunday 12.PM
5.	**UNITED KINGDIM**	Sunday 3PM
	(i) Birmingham 229 Alum Rock Road	
	(ii) London 76 Park Road Ilford Essex Phone 081-553-1896	1st Sun 2:30PM
	(iii) Yardley 633 Church Road, Yardley, Birmingham B33 8HA (Phone 021-628-3718)	Last Sun 2PM
	(iv) Essex 50 Arlington Road, Southend-on-Sea ESSEX SS2 4UW, Phone 0702-618819	2nd Sun 3PM
	(v) Yorkshire Cardigan Community Centre 145-49 Cardigan Road LEEDS-6 Contact M. Afzal Phone 0532-306140	1st Sun 3PM
	Dars-e-Quran Oslo (NORWAY)	Thursday 21:00PM